رسالہ

بَرِیْقُ المَنَارِ بِشُمُوْعِ المَزَارِ

(مینارے کی چمک مزار کی شمعوں سے)[۱۳۳۱]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط نحمدہٗ ونصلّی علٰی رسولہ الکریم۔

مسئلہ ۱۴۹ از لکھنؤ محلہ سراۓ ڈالی گنج مرسلہ مولوی محمد احمد صاحب علوی خلف مولوی حبیب علی صاحب مرحوم ۸ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مزاراتِ اولیاء اللہ پر روشنی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ روشنی مزاراتِ اولیاء اللہ پر نا جائز ہے کیونکہ اس میں تعبد منظور رہتا ہے، چنانچہ زید کی تحریر بجنسہٖ ذیل میں نقل کی جاتی ہے، آیا یہ مسلک زید کا نزدیک علمائے دین ومفتیانِ شرع متین قابلِ قبول وعمل ہے یا نہیں؟

نقلِ تحریرِ زید یہ ہے:

میں بتقسیمِ شرعی اس کو باور کراتا ہوں کہ میں نے کوشش کی کہ چراغانِ قبور کا کسی تاویل سے استحسان ثابت ہوجائے تو میں رسمِ قدیم کی مخالفت نہ کروں۔ چنانچہ فتاوٰی عالمگیری کو دیکھا اس میں نکلا کہ اخواج الشموع الی المقابر بدعۃ لا اصل لہ (مزارات پر چراغاں کرنا بدعت ہے اس کی کوئی اصل نہیں۔ ت) اسی طرح

31
31

فتاوٰی بزازیہ میں ہے۔ دُرِمختار میں بھی یہی نکلا۔ پھر میں نے حدیث شریف کو دیکھا۔ مشکوٰۃ شریف میرے پاس تھی، اس میں یہ حدیث نکلی:

لعن رسول اللّٰہ زائرات القبور والمتخذین علیھا المساجد والسرج[1] رواہ الترمذی والنسائی۔

لعنت کی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے زائراتِ قبور پر اور جو بنائیں قبروں پر مسجدیں (یعنی قبروں کی طرف سجدہ کریں) اور قبروں پر چراغ کو روشن کریں۔ اسے ترمذی اور نسائی نے روایت کیا۔

اس کے بعد میں نے حضرت شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی برادر شاہ عبدالعزیز صاحب ختم المحدثین کے فتوے مطبوعہ مطبع مجتبائی ص۱۲۱ کو دیکھا اُس میں لکھا ہے:

پس امداد بدعا و ختم و اطعام بدعتے مباح است (یعنی در عرس سالانہ بزرگانِ دین اگر صلحائے وقت جمع شدہ قرآن شریف خوانند و خیرات کردہ ثواب رسانند مضائقہ ندارد۔ ایں را بدعتِ مباح باید گفت) وجہِ قبح ندارد۔ اما ارتکاب محرمات از روشن کردن چراغ یا ملبوس ساختن قبور و سرود ہا و نواختن معازف بدعات شنیعہ اند۔ حضور چنیں مجالس ممنوع اگر مقدور باشد محلِ حدیث من رأی منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ وان لم یستطع فبلسانہ وان لم یستطع فبقلبہ وذٰلک اضعف الایمان[2] عمل باید کرد از مقام زجر پراگندہ کردن اسباب بدعت کافی[3]۔

دعا، ختم قرآن اور کھانا کھلانے کے ذریعے مدد کرنا ایک جائز بدعت ہے (یعنی بزرگانِ دین کے سالانہ عرس میں اگر اس زمانے کے نیک لوگ جمع ہو کر قرآن شریف پڑھیں اور خیرات کرکے ثواب پہنچائیں تو کوئی مضائقہ نہیں اسے بدعتِ مباحہ کہا جاسکتا ہے) قبیح ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ لیکن حرام باتوں کا ارتکاب جیسے چراغ روشن کرنا، قبروں کو ملبوس کرنا، گانے، باجے بجانا شنیع بدعتیں ہیں، ایسی مجلسوں میں شرکت منع ہے اگر قدرت ہو تو حدیث پاک "جو تم میں کوئی برائی دیکھے تو اپنے ہاتھ سے روک دے، یہ نہ ہوسکے تو زبان سے، یہ بھی نہ ہوسکے تو دل سے بُرا جانے اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے" پر عمل کرنا چاہئے۔ زجر کی جگہ اسباب بدعت کو منتشر کردینا کافی ہے (ت)

---

[1] الجامع للترمذی باب کراہۃ ان یتخذ علی القبر مسجداً نور محمد اصح المطابع کراچی ص ۴۳
[2] ؍؍ ابواب الفتن ؍؍ ؍؍ ؍؍ ص ۳۱۶
[3] فتاوٰی شاہ رفیع الدین

اس کے علاوہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے مالابدمنہ میں اور ارشاد الطالبین میں لکھا ہے کہ:

"چراغاں کردن بدعت است، پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بر شمع افروزاں نزد قبر و سجدہ کنندگان لعنت گفتہ" ارشاد الطالبین ص

(قبور پر) چراغاں کرنا بدعت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبر کے نزدیک چراغاں کرنے اور سجدہ کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ (ت)

خلاصہ یہ کہ چراغاں جو بغرض خاص تقرب کیا جاتا ہے یا بغرض زینت۔ یہاں تک کہ بعض لوگ منت مانتے ہیں اور اس کا ایفاء کرتے ہیں اور اہل اللہ کے مزار پر کرتے ہیں معمولی آدمی کی قبر پر نہیں کرتے ہیں۔ اس طرح جب کتب حدیث و فقہ و تحریرات علماء میں نکلا تو میں نے بلاخوف و خطر اس کو ترک کر دیا اور جس قدر رقم کا تیل آتا تھا وہ میں نے شربت و برف میں صرف کر دیا۔ نظرِ انصاف سے دیکھا جائے کہ یہ کیا سنگین جرم ہے، نماز نہ پڑھے، جماعت کا پابند نہ ہو، ڈاڑھی منڈائے، وہ سب قابلِ عفو ہے لیکن چراغاں نہ کرنا جس کے لیے اس قدر شدید وعید آئی ہے وہ ایسا جرم ہے کہ فوراً وہابیت کا فتوٰی دے دیا جائے۔ چونکہ اس کے کہنے والے اکثر جاہل ناخواندہ لوگ تھے میں نے اس کی طرف توجہ بھی نہیں کی، میں نے یہ سمجھا تھا کہ اگر صاحبِ فتاوٰی بزازیہ و عالمگیریہ و صاحبِ مشکوٰۃ اور شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی یہ سب وہابی ہیں تو میں الحمدللہ وہابی ہوں۔ یہ امر بھی قابلِ گزارش ہے کہ میں نے مولوی احمد رضا خاں صاحب کو ایک عریضہ بھیجا اور اس میں استفتاء چراغاں کا کہا اور جواب کے لیے ٹکٹ بھی رکھ دئے لیکن خاں صاحب موصوف نے اس کا جواب نہیں دیا۔ مشکل یہ ہے کہ اگر حق جواب لکھا جائے تو پیرزادے ناخوش ہوتے ہیں اگر ناحق لکھا جائے تو قرآن و حدیث و فقہ کے خلاف ہوتا ہے۔ بہت تلاش سے بعض لوگوں کی تحریرات سے ایک آدھ چراغ کا جواز اس طرح سے نکلتا ہے کہ کسی دوسری مصلحت سے چراغ جلایا جائے۔ لیکن چراغاں کا جواز اگر آج بھی کسی مستند عالم کی کتاب سے نکل آئے تو مجھ کو اس معاملہ میں کد نہ ہوگی۔

صرف دو امور ہیں جس کی وجہ سے لوگوں کو خلجان ہوتا ہے:

اول یہ کہ پیرزادے اس کو کرتے چلے آئے ہیں مگر پیرزادوں کا فعل ناسخ قولِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہیں ہے، پیرزادگان کچھ معصوم نہیں ہیں، صالح ہوں، اہل اللہ ہوں، لیکن معصوم نہیں، جہاں ہزاروں نیک مشائخ زمانہ کرتے ہیں وہاں ایک امر ناجائز بھی کسی مصلحت سے اُنھوں نے کرلیا۔ خدا تعالیٰ معاف کرنے والا ہے۔ غور سے دیکھا جائے کہ غیر محارم کے سامنے آنا شرعاً جائز ہو جائے گا۔

دوسرا امر باعثِ خلجان یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں قبر مبارک پر روشنی ہوتی ہے اس خطرے کے جواب حسب ذیل ہیں:

(۱) تعامل حرمین شریفین کا بعد قرون ثلٰثہ مشہود لہا بالخیر کے سند نہیں ہے۔

---

[1] مالابدمنہ (فارسی) کتاب الجنائز مکتبہ شرکت علمیہ ملتان ص ۷۰ و ۷۱

(۲) قبر شریف حجرہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں واقع ہے جس کے چاروں طرف مسجد نبوی ہے اور مسجد میں روشنی کرنے کا ثواب احادیث میں موجود ہے۔

(۳) قبر شریف درحقیقت روپوش ہے آج ہفت اقلیم کا بادشاہ بھی اُس کو نہیں دیکھ سکتا۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ خلیفہ ہارون رشید نے سیڑھی لگا کر دیکھنا چاہا ناکامیاب رہا۔

(۴) مدینہ منورہ میں روشنی منجانب سلطان ٹرکی ہوتی ہے۔ گورنمنٹ ٹرکی نے عثمانیہ بینک قائم کر کے سود کا لین دین شروع کر دیا ہے، کیا گورنمنٹ کے بھی فعل سے سُود جائز ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

(۵) نزدیک اہلسنت والجماعت کے حجتِ شرعی صرف چار ہیں: قرآن وحدیث واجماع وقیاس مجتہدین۔ صرف تعاملِ حرمین کوئی سند نہیں۔

(۶) بڑا حصہ حرمین شریفین کا داڑھی کترواتا ہے۔ کیا داڑھی کتروانے کے جواز میں کوئی شخص یہ سند پیش کر سکتا ہے کہ وہاں کے لوگ داڑھی کترواتے ہیں، لہذا یہ فعل جائز ہے، وہاں کے علماء سے خود فتوٰی لیا جائے وہ داڑھی کترانے چراغاں کرنے کو یقیناً ناجائز کہیں گے۔

(۷) اب ایک تاویل ضعیف اور ایجاد ہوئی ہے کہ متقدمین ومتاخرین کسی کو بھی نہیں سُوجھی یعنی قبر پر چراغ جلانے کی ممانعت ہے لیکن قبر کے گرد جلانے میں ممانعت نہیں ہے کیونکہ حدیث شریف میں لفظ علیٰ بمعنی پر واقع ہے۔ اردو میں کیا قبر پر چڑھاوا صرف اسی کو کہتے ہیں جو خاص اس جگہ پر کیا جائے جتنے حصّہ کو قبر کہتے ہیں، بعض قبر کی صورت کوہانِ شتر کے مانند ہوتی ہے اس پر چڑھاوا اعاتباً ممکن بھی نہ ہوگا۔ لیکن قبر پر چڑھاوا تو اتنا وسیع ہے

کہ گرد قبر سے بلکہ دروازے کے آس پاس بھی کوئی رکھ دے تو وہ قبر کا چڑھاوا سمجھا جائے گا اور رسول خدا (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم) کے فرمانے کی یہ تاویل ضعیف ہے۔ قرآن شریف سورۂ کہف میں لَنَتَّخِذَنَّ عَلَیۡہِمۡ مَّسۡجِدًا[1] (قسم ہے کہ ہم تو ان پر مسجد بنائیں گے۔ ت) کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ اصحابِ کہف کے سینہ پر سنگِ بنیاد مسجد کا رکھیں گے، استغفر اللہ۔ ایک صاحب نے یہ کمال کیا کہ مُلّا علی قاری کی نسبت کہہ دیا کہ انھوں نے گرد قبر کے چراغ جلانے کو جائز کہا ہے حالانکہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ مطبوعہ مصر صفحہ ۴۷۰ میں حدیث مندرجہ مشکوٰۃ شریف مذکورہ بالا کی شرح میں اُنھوں نے صرف مسجد کو اطرافِ قبر میں بنانے کی اجازت اس بنیاد پر دی ہے کہ عادتِ یہود ونصارٰی یہ تھی کہ وہ قبر پر مسجد بناتے تھے، اور چونکہ مشابہتِ یہود ونصارٰی کی وجہ سے ممانعت ہوئی تھی لہذا جب مشابہت نہ رہی تو یہ فعل جائز ہوگیا۔ لیکن چراغ کی ممانعت کے وجوہ حضرت مُلّا علی قاری نے

---

[1] القرآن ۱۸/ ۲۱

ع۔ زید کی اصل عبارت میں تتخذون ہے۔

تین لکھے ہیں :

اوّلاً تضییعِ مال۔

دوم چراغ کا آثارِ جہنم سے ہونا بوجہ ناریت۔

سوم تعظیمِ قبور۔

ہرگز ہرگز ملّا علی قاری نے گرد قبر کے چراغ جلانے کی اجازت نہیں دی ہے، یہ اُن پر اتہام ہے۔ سمجھنے کی بات ہے کہ جو اُنھوں نے وجوہِ ممانعت لکھے ہیں کیا وہ گرد قبر کے چراغ جلانے سے جاتے رہیں گے جو وہ اجازت دیتے ہیں۔ بقسمِ شرعی باور کراتا ہوں کہ اگر کسی عالم مستند نے چراغان قبر کے لیے جلانے کو جائز کر دیا ہو تو میں پہلا شخص اس تاویل پر عمل کرنے کے لیے تیار ہوں گا۔ سچ یہ ہے کہ مجاوروں نے جن کے لیے قبور ذریعۂ معاش ہیں اُنھوں نے ان باتوں کی ایجاد کی ہے۔ یہ سب بحث چراغ جلانے میں ہے نہ کہ چراغاں میں' جو محض تعبداً یعنی ازراہِ تقرب کیا جاتا ہے' لوگ تیل بتی کی منت مانتے ہیں، سال کے سال شب عرس کو کرتے اور اس کو مذہبی فعل سمجھتے ہیں۔ اگر تقرب یعنی تعبد منظور نہیں ہوتا تو لوگ چراغاں بزرگوں کی قبر پر کیوں کرتے ہیں، کسی فاسق فاجر کی قبر پر کیوں نہیں کرتے! اس سے ظاہر ہے کہ منشاءِ چراغاں محض تقرب یعنی تعبد ہے، اگر ایسی تاویل جائز سمجھی جائے تو کوئی شخص قبر کے نیچے یا قبر کے بیچ چراغ جلائے کیونکہ حدیث میں قبر پر کی ممانعت ہے، استغفراللہ! یہ تو حدیث کے ساتھ مضحکہ کرنا ہے۔ اگر اس وعید کے بعد بھی کوئی شخص پھر اس میں خلاف کرے یا کٹ حجتی کرے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات قبر میں تصفیہ کے قابل ہے، موسٰی بدین خود، عیسٰی بدین خود۔ انتہی تحریر زید۔

اب جو کچھ ازراہِ انصاف وتتبع کتب حضرات اہلسنت والجماعت محقق ہووے اس سے معزز فرمائیے، اور کیا یہ اقوال زید کے صحیح اور موافق سلف کے ہیں، بہ تشریح وتفصیل تام ارشاد ہو۔ اللہ تعالٰی آپ کو جزائے خیر عنایت فرمائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ سَرْمَدًا، صَلِّ عَلٰی سِرَاجِکَ الْمُنِیْرِ وَاٰلِہٖ اَبَدًا یَا نُوْرُ یَا نُوْرَ النُّوْرِ یَا نُوْرُ قَبْلَ کُلِّ نُوْرٍ یَا نُوْرُ بَعْدَ کُلِّ نُوْرٍ، لَکَ النُّوْرُ وَبِکَ النُّوْرُ وَمِنْکَ النُّوْرُ وَاِلَیْکَ النُّوْرُ وَاَنْتَ النُّوْرُ وَنُوْرُ النُّوْرِ صَلِّ عَلٰی

اے اللہ! تیرے لیے دائمی حمد ہے، اپنے سراج منیر اور ان کی آل پر ہمیشہ رحمت نازل فرما، اے نور، اے نور کے نور، اے ہر نور سے قبل نور، اے نور کے بعد نور، تیرے لیے نور ہے، تجھ سے نُور ہے، تیری طرف نور ہے، تُو نور اور نور کا نور ہے اپنے نور انوار پر، اور ان کی آل پر

نُوْرِكَ الْاَنْوَرِ وَ اٰلِهِ السُّرُجِ الْغُرِّ وَصَحْبِهِ الْمَصَابِيْحِ الزُّهْرِ صَلٰوۃً تُنَوِّرُ بِهَا وُجُوْھَنَا وَصُدُوْرَنَا وَ قُلُوْبَنَا وَ قُبُوْرَنَا اٰمِیْنَ ۔

جو روشن چراغ ہیں اور ان کے اصحاب پر جو تابناک مصباح ہیں درود نازل فرما ایسا درود جس سے ہمارے چہرے، ہمارے سینے، ہمارے دل اور ہماری قبریں روشن ہوجائیں ۔ الٰہی! قبول فرما ۔ (ت)

امام علامہ عارف باللہ سیدی عبدالغنی بن اسمٰعیل بن عبدالغنی نابلسی قدسنا اللہ بسرہ القدسی کتاب مستطاب حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ مطبع مصر جلد دوم ص ۴۲۹ میں فرماتے ہیں :

قال الوالد رحمہ اللہ تعالٰی فی شرحہ علٰی شرح الدرر من مسائل متفرقۃ اخراج الشموع الی القبور بدعۃ اتلاف مال کذا فی البزازیۃ اھ وھذا کلہ اذا خلا عن فائدۃ واما اذا کان موضع القبور مسجدا اوعلٰی طریق اوکان ھناک احد جالس اوکان قبر ولی من الاولیاء اوعالم من المحققین تعظیما لروحہ المشرقۃ علٰی تراب جسدہ کاشراق الشمس علی الارض اعلاما للناس انہ ولی لیتبرکوا بہ و یدعوا اللہ تعالٰی عندہ فیستجاب لھم فھو امر جائز لامنع منہ والاعمال بالنیات[1]

یعنی والد رحمہ اللہ تعالٰی نے حاشیہ درر و غرر میں فتاوٰی بزازیہ سے نقل فرمایا کہ قبروں کی طرف شمعیں لے جانا بدعت اور مال کا ضائع کرنا ہے ۔ یہ سب اس صورت میں ہے کہ بالکل فائدہ سے خالی ہو، اور اگر شمعیں روشن کرنے میں فائدہ ہو کہ موضع قبور میں مسجد ہے یا قبور سرراہ ہیں یا وہاں کوئی شخص بیٹھا ہے یا مزار کسی ولی اللہ یا محققین علماء میں سے کسی عالم کا ہے وہاں شمعیں روشن کریں اُن کی رُوح مبارک کی تعظیم کے لیے جو اپنے بدن کی خاک پر ایسی تجلی ڈال رہی ہے جیسے آفتاب زمین پر، تاکہ اس روشنی کرنے سے لوگ جانیں کہ یہ ولی کا مزار پاک ہے تاکہ اس سے تبرک کریں اور وہاں اللہ عزوجل سے دُعا مانگیں کہ اُن کی دُعا قبول ہو تو یہ امر جائز ہے اس سے اصلاً ممانعت نہیں، اور اعمال کا مدار نیتوں پر ہے ۔

پھر فرماتے ہیں :

روی ابوداؤد والترمذی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ

ابوداؤد اور ترمذی نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم

---

[1] الحدیقۃ الندیۃ ایقاد الشموع فی القبور نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲ /۶۳۰

تعالٰی علیہ وسلم لعن زائرات القبور والمتخذین علیها المساجد والسرج ای الذین یوقدون السرج علی القبور عبثا من غیر فائدۃ[1] کما ذکرنا۔

نے قبروں پر جانے والی عورتوں اور قبروں پر مسجدیں بنانے والوں اور چراغ رکھنے والوں پر لعنت فرمائی یعنی اُن لوگوں پر جو کسی فائدہ کے بغیر قبروں پر چراغ جلاتے ہیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے (ت)

یعنی یہ مذکورہ بالا حدیث کہ روایت کی گئی ہے، اس سے بھی مراد وہی صورت ہے کہ محض عبث بلا فائدہ قبور پر شمعیں روشن کریں ورنہ ممانعت نہیں۔ ملاحظہ ہو وہی حدیث ہے وُہ ہی عبارت فتاوٰی بزازیہ ہے - ان علامہ جلیل القدر عظیم الفخر رحمہ اللہ تعالٰی نے اُن کے معنی روشن فرما دئے، اور تصریحًا ارشاد کیا کہ مقابر میں شمعیں روشن کرنا جب کسی فائدہ کے لیے ہو ہرگز منع نہیں۔ فائدہ کی متعدد مثالیں فرمائیں:

(۱) وہاں کوئی مسجد ہو کہ نمازیوں کو بھی آرام ہوگا اور مسجد میں بھی روشنی ہوگی۔

(۲) مقابر برسرِ راہ ہوں روشنی کرنے سے راہ گیروں کو نفع پہنچے گا اور اموات کو بھی کہ مسلمان مقابرِ مسلمین دیکھ کر سلام کریں گے، فاتحہ پڑھیں گے، دُعا کریں گے، ثواب پہنچائیں گے۔ گزرنے والوں کی قوت زائد ہے تو اموات برکت لیں گے، اور اگر اموات کی قوت زائد ہے تو گزرنے والے فیض حاصل کریں گے۔

(۳) مقابر میں اگر کوئی بیٹھا ہو کہ زیارت یا ایصالِ ثواب یا افادہ یا استفادہ کے لیے آیا ہے تو اسے روشنی سے آرام ملے گا، قرآن عظیم دیکھ کر پڑھنا چاہے تو پڑھ سکے گا۔

(۴) وُہ تینوں منافع مزاراتِ اولیائے کرام قدست اللہ تعالٰی باسرارہم کو بھی بروجہ اولٰی شامل تھے کہ مزاراتِ مقدسہ کے پاس غالبًا مساجد ہوتے ہیں، گزرگاہ بھی بہت جگہ ہے اور حاضرینِ زائرین خواہ مجاورین سے تو نادرًا خالی ہوتے ہیں، مگر امام ممدوح ان پر اکتفاء نہ فرما کر خود مزاراتِ کریمہ کے لیے بالتخصیص روشنی میں فائدہ جلیلہ کا افادہ فرماتے ہیں کہ اُن کی ارواحِ طیبہ کی تعظیم کے لیے روشنی کی جائے۔

اقول ظاہر ہے کہ روشنی دلیلِ اعتناء ہے اور اعتناء دلیلِ تعظیم۔ اور تعظیم اہل اللہ دلیلِ ایمان و موجبِ رضائے رحمان عزجلالہٗ۔ قال اللہ عزوجل:

وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ[2]

جو الٰہی نشانیوں کی تعظیم کرے تو وہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔

---

[1] الحدیقۃ الندیۃ ایقاد الشموع فی القبور نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۶۳۰

[2] ۲۲/ ۳۲

وقال اللہ تبارک وتعالٰی :

وَمَنْ یُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰہِ فَهُوَ خَیْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ[1]	جو الٰہی آداب کی چیزوں کی تعظیم کرے تو اس کے لیے اُس کے رب کے یہاں بہتری ہے۔

(۱) اس کی نظیر مصحف شریف کا مطلّا و مذہّب کرنا ہے کہ اگرچہ سلف میں نہ تھا، جائز و مستحب ہے کہ دلیل تعظیم و ادب ہے۔ دُرمختار میں ہے :

جاز تحلیۃ المصحف لما فیه من تعظیمه کما فی نقش المسجد[2]	مصحف شریف مطلّا و مذہّب کرنا جائز ہے کیونکہ اس میں اس کی تعظیم ہے جیسا کہ مسجد کو منقّش کرنے میں (ت)

یُوں ہی مساجد کی آرائش اُن کی دیواروں پر سونے چاندی کے نقش و نگار کہ صدرِ اول میں نہ تھے، بلکہ حدیث میں تھا :

لتزخرفنها کما زخرفت الیهود والنصارٰی[3] رواه ابوداؤد عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنهما۔	تم مسجدوں کی آرائش کروگے جیسے یہود و نصارٰی نے آرائش کی۔ اسے ابوداؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ (ت)

مگراب ظاہری تزک و احتشام ہی قلوب عامہ پر اثر تعظیم پیدا کرتا ہے لہذا ائمۂ دین نے حکم جواز دیا۔ تبیین الحقائق میں ہے :

لایکره نقش المسجد بالجص و ماء الذهب[4]	گچ اور سونے کے پانی سے مسجد میں نقش بنانا مکروہ نہیں ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے :

قوله کما فی نقش المسجد ای ماخلا محرابه ای بالجص و ماء الذهب[5]	اس کا قول، جیسا کہ مسجد کی آرائش میں، یعنی محراب کے علاوہ۔ یعنی گچ اور سونے کے پانی سے۔ (ت)

---

[1] القرآن ۲۲/ ۳۰

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۵

[3] سنن ابوداؤد باب فی بناء المسجد آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۶۵

[4] تبیین الحقائق فصل کرہ استقبال القبلۃ مطبعۃ کبرٰی امیریہ مصر ۱/ ۱۶۸

[5] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ باب فی البیع ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۵/ ۲۴۷

(۳) یونہی مسجدوں کے لیے کنگرے بنانا کہ مساجد کے امتیاز اور دُور سے اُن پر اطلاع کا سبب ہیں، اگرچہ صدرِ اول میں نہ تھے۔ بلکہ حدیث شریف میں ارشاد ہُوا تھا:

اِبْنُوا الْمَسَاجِدَ وَاتَّخِذُوْهَا جُمًّا[1] رواه ابن ابی شیبة والبیهقی فی السنن عن انس بن مالك رضی اللّٰه تعالٰی عنه۔

مسجدیں مُنڈی بناؤ۔ اسے ابن ابی شیبہ نے اور سنن میں بیہقی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

دوسری حدیث میں ہے:

اِبْنُوْا مَسَاجِدَکُمْ جُمًّا وَّابْنُوْا مَدَآئِنَکُمْ مُشْرِفَةً[2] رواه ابن ابی شیبة فی المصنف عن ابن عباس رضی اللّٰه تعالٰی عنهما۔

یعنی مسجدیں مُنڈی بناؤ اُن میں کنگرے نہ رکھو، اور اپنے شہر اونچے کنگرے دار بناؤ ۔ اسے مصنف میں ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا (ت)

مگر اب بلانکیر مسلمانوں میں رائج ہے۔

وَمَا رَاٰهُ الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ۔[3]

اور جسے مسلمان اچھا سمجھیں وُہ خدا کے یہاں بھی اچھا ہے (ت)

امام ابن المنیر شرح جامع صحیح میں فرماتے ہیں:

استنبط کراهیة زخرفة المسجد لشغل قلب المصلی بذٰلك اولصرف المال فی غیر وجهه نعم اذا وقع ذٰلك علی سبیل تعظیم المساجد ولم یقع الصرف علیه من بیت المال فلاباس به ولو اوصی بتشیید مسجد وتحمیره وتصفیره نفذت وصیته لانه قد حدث للناس

یعنی حدیث سے مستنبط کیا گیا ہے کہ مسجدوں کی آرائش مکروہ ہے کہ نمازی کا خیال بٹے گا یا اس لیے کہ مال بیجا خرچ ہوگا، ہاں اگر تعظیمِ مسجد کے طور پر آرائش واقع ہو اور خرچ بیت المال سے نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں، اور اگر کوئی شخص وصیت کر جائے کہ اس کے مال سے مسجد کی گچ کاری اور اس میں سُرخ و زرد رنگ کریں تو وصیت نافذ ہوگی کہ لوگوں میں جیسی

---

[1] السنن الکبرٰی باب فی کیفیة بناء المسجد دار صادر بیروت ۲/۴۳۹
[2] المصنف لابن ابی شیبہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۳۰۹
[3] مسند احمد بن حنبل دار الفکر بیروت ۱/۳۷۹

فآوی بقدر ما احدثوا وقد احدث الناس مؤمنهم وکافرهم تشیید بیوتهم وتزیینها ولو بنینا مساجدنا باللبن وجعلنها متطامنۃ بین الدور الشاھقۃ وربما کانت لاھل الذمۃ لکانت مستھانۃ۔[1]

نئی نئی باتیں پیدا ہوتی گئیں ویسے ہی ان کے لیے فتوے نئے ہوئے کہ اب مسلمانوں کافروں سب نے اپنے گھروں کی گچکاری اور آرائش شروع کردی۔ اگر ہم ان بلند عمارتوں کے درمیان جو مسلمین تو مسلمین کافروں کی بھی ہوں گی کچی اینٹ اور نیچی دیواروں کی مسجدیں بنائیں تو نگاہوں میں ان کی بے وقعتی ہوگی۔

(۴) اسی قبیل سے ہے مزاراتِ اولیائے کرام وعلمائے عظام قدست اسرارہم پر عمارات کی بنا کہ باوصف حدیث صحیح مسلم وابوداؤد ونسائی ومسند احمد:

عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ نھی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہٖ وسلم ان یقعد علی القبر وان یجصص وان یبنی علیہ۔[2]

حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم نے قبر پر بیٹھنے، اسے گچ سے پکی کرنے اور اس پر عمارت بنانے سے منع فرمایا۔ (ت)

جس میں صراحۃً اس کی ممانعت ارشاد ہوئی ہے سلفاً وخلفاً ائمہ کرام وعلمائے اعلام نے جائز رکھی تکملہ مجمع بحار الانوار جلد ثالث صفحہ ۱۴۰ میں ہے:

قد اباح السلف البناء علی قبور الفضلاء الاولیاء والعلماء لیزورھم ویستریحون فیہ۔[3]

بیشک ائمہ سلف صالحین نے اہلِ فضل اولیاء وعلماء کے مزاراتِ طیبہ پر عمارات بنانا مباح فرمادیا کہ لوگ ان کی زیارت کریں اور اُن میں راحت پائیں۔

جواہر اخلاطی میں ہے:

ھو وان کان احداثا فھو بدعۃ حسنۃ وکم من شیئ کان احداثا وھو بدعۃ حسنۃ وکم من شیئ یختلف باختلاف

یعنی یہ اگرچہ نو پیدا ہے پھر بھی بدعتِ حسنہ ہے، اور بہت سی چیزیں ہیں کہ نئی پیدا ہوئیں اور رہیں اچھی بدعت، اور بہت احکام ہیں کہ زمانے یا مقام کی تبدیلی سے

---

[1] ارشاد الساری شرح البخاری باب بنیان المساجد دارالکتاب العربی بیروت ۱/ ۴۴۰
[2] صحیح مسلم کتاب الجنائز البناء علی القبر نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۳۱۲
[3] تکملہ مجمع بحار الانوار تحت لفظ قبر منشی نولکشور لکھنؤ ۳/ ۱۴۰

الزمان والمکان[1] بدل جاتے ہیں۔

یعنی ایسی جگہ احکامِ سابقہ سے سند لانا حماقت ہے، جو حاجت اب واقع ہوئی اگر زمانہ سلف میں واقع ہوتی تو وہ بھی یہی حکم کرتے جو اس وقت ہم کرتے ہیں، جیسے ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

لَوْ رَأَى النَّبِيُّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مَا أَحْدَثَ النِّسَاءُ لَمَنَعَهُنَّ الْمَسَاجِدَ كَمَا مُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ[2]

یعنی اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ملاحظہ فرماتے جو باتیں عورتوں نے اب نکالی ہیں، تو اُنھیں مسجدوں سے منع فرمادیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتوں کو مسجدوں سے منع کیا گیا تھا۔ (ت)

اور آخر ائمہ دین نے عورات کو مسجدوں سے منع فرما ہی دیا، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

لَا تَمْنَعُوْا إِمَاءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ[3] رواہ احمد و مسلم عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

اللہ تعالیٰ کی باندیوں کو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں سے نہ روکو۔ اسے امام احمد و مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔ (ت)

کیا ائمہ دین نے نظر بحالِ زمانہ جو حکم فرمایا اُسے حدیث کی مخالفت کہا جائے گا؟ حاش للہ! ایسا نہ کہے گا مگر احمق، کج فہم۔ یوں ہی یہ تازہ تعظیموں کے احکام ہیں۔ سلف صالحین کے قلوب تعظیم شعائر اللہ سے مملو تھے، ظاہری تزک و احتشام کے محتاج نہ تھے۔ تو ان کے وقت میں یہ باتیں بجث و بے فائدہ تھیں اور ہر عبث مکروہ۔ اور اس میں مال صرف کرنا ممنوع۔ اب کہ بے تزک و احتشام ظاہری قلوب عوام میں وقعت نہیں آتی ان باتوں کی حاجت ہوئی۔ مصحف شریف پر سونا چڑھانے کی اجازت ہوئی، مسجدوں میں سونے کے کلس، سونے چاندی کے نقش نگار کی اجازت ہوئی۔ مزارات پر قبہ بنانے، چادر ڈالنے، روشنی کرنے کی اجازت ہوئی۔ ان تمام افعال پر بھی احادیث و احکام سابقہ پیش نہ کرے گا مگر سفیہ و نافہم۔ یہ مختصر شرح ہے اس ارشادِ امام ممدوح قدس سرہٗ کی۔ اور اس کی تفصیل بازغ وتحقیق بالغ ہمارے رسالہ طوالع النور فی حکم السراج علی القبور میں ہے وباللہ التوفیق۔

یہی امام جلیل کشف النور میں، پھر علامہ شامی ردالمحتار فصل اللبس اور عقود الدریہ مسائل شتّی میں مزاراتِ اولیائے کرام پر غلاف ڈالنے کی نسبت بھی اسی تعظیم سے استدلال فرماتے ہیں کمابیناہ فی فتاونا (جیسا کہ ہم نے

---

[1] جواہر الاخلاطی — کتاب الاحسان والکراہیۃ — قلمی نسخہ — ص ۱۶۸ - ب

[2] صحیح مسلم — باب خروج النساء الی المساجد — نور محمد اصح المطابع کراچی — ۱۸۳/۱

[3] " " " " " " "

اپنے فتاویٰ میں اسے بیان کیا ہے۔ ت) اس کے علاوہ خاص روشنی مزارکریم کی نسبت ان سے بھی بہت اقدم امام اجل و اعظم کا ارشاد بعونہ تعالیٰ عنقریب آتا ہے۔ زید نے تو ایک ہی عالم مستند کا قول ملنے پر قبول و سرنہادن کا وعدہ کیا تھا۔ ان تحقیقات ائمہ مستندین و اجلہ معتمدین و وعدہ زید کے بعد زیادہ کی حاجت نہیں۔ مگر اجمالاً بعض جملے اور گزارش ہوں کہ عوام بھائی شبہہ میں نہ پڑیں۔ واللہ الموفق :

(۱) امام ممدوح قدس سرہٗ نے جس طرح اصل مسئلہ کا فیصلہ فرمایا۔ زید کے اس بے معنیٰ اعتراض کی بھی کہ "اہل اللہ کے مزار پر کرتے ہیں معمولی آدمی کی قبر پر نہیں کرتے" غلطی ظاہر فرمادی کہ ان پہلے تین فوائد عامہ کے بعد چوتھے فائدہ میں خاص مزاراتِ اولیاءِ کرام کی تخصیص فرمائی، نیز اس کا جواب ائمہ سلف دے چکے جن کا ارشاد مجمع بحار الانوار سے گزرا کہ مزاراتِ اولیاءِ کرام وعلمائے عظام پر بنائے عمارت جائز ہے، عوام وفساق کی قبور پر کیوں نہ اجازت دی!

اقول آدمی اگر آیہ کریمہ ذٰلك ادنیٰ ان یعرفن فلا یؤذین[1] (وہ اس سے زیادہ قریب ہے کہ ان کی پہچان ہوجائے تو انھیں ایذا نہ دی جائے۔ ت) کی حکمتِ جلیلہ سے آگاہ ہو جس سے وجہ استنباط طوالع النور میں مذکور تو ایسا مہمل اعتراض ہرگز خیال میں بھی نہ آئے۔

(۲) امام ممدوح قدس سرہٗ نے زید کے اس سوال کا کہ "بزرگوں کی قبروں پر کیوں کرتے ہیں، کسی فاسق وفاجر کی قبر پر کیوں نہیں کرتے" جواب ارشاد فرمایا کہ تعظیماً لروحہ المشرقۃ علیٰ تراب جسدہ[2] الخ یعنی ان کی رُوح کی تعظیم کی جاتی ہے اور لوگوں کو دکھایا جاتا ہے کہ یہ مزار محبوب کا ہے اس سے تبرک و توسل کرو کہ تمھاری دُعا مستجاب ہو۔

(۳) امام ممدوح قدس سرہٗ نے زید کے اس توہم وتعبد کا بھی علاج فرمادیا کہ تعظیماً لروحہ (ان کی روح کی تعظیم کے لیے۔ ت) معاذ اللہ! یہ اُن کی عبادت نہیں ان کی روح پاک کی تعظیم ہے، ہر تعظیم عبادت ہو تو تعظیمِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تو نصوصِ قطعیہ قرآن عظیم سے فرض ہے۔ قال اللہ تبارک و تعالیٰ:

لتؤمنوا باللہ ورسولہ وتعزروہ وتوقروہ[3]۔ ہم نے اپنے رسول کو اس لیے بھیجا کہ اے لوگو! تم اللہ ورسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم وتوقیر کرو۔

وقال تبارک وتعالیٰ:

---

[1] القرآن ۳۳/۵۹

[2] الحدیقۃ الندیۃ الفاد الشموع فی القبور مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۶۳۰

[3] القرآن ۴۸/۹

32

الذین یتبعون الرسول النبی الامی الٰی قولہ عزوجل والذین اٰمنوا بہ وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی انزل معہ اولٰئک ھم المفلحون[1]

وہ جو پیروی کریں گے اس رسول نبی اُمّی یعنی بے پڑھے غیب کے علوم جاننے بتانے والے کی، تو جو اُس نبی پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اس کی مدد کریں اور اس کے ساتھ جو نور اُترا اس کے پیرو ہوں وہی لوگ مراد کو پہنچیں گے۔

وقال اللہ تبارک وتعالٰی:

لئن اقمتم الصلٰوۃ واٰتیتم الزکٰوۃ واٰمنتم برسلی وعزرتموھم واقرضتم اللہ قرضا حسنا لاکفرن عنکم سیاٰتکم ولادخلنکم جنٰت تجری من تحتھا الانھٰر[2]

بیشک اگر تم نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور میرے رسولوں کی تعظیم کرو اور اللہ کے لیے قرضِ حسن دو تو ضرور میں تمھارے گناہ تم پر سے اتار دُوں گا اور ضرور تمھیں بہشتوں میں داخل فرماؤں گا جن کے نیچے نہریں بہیں۔

بلکہ قرآنِ عظیم نے تو ماں باپ کی تعظیم بھی فرض کی۔ قال اللہ تبارک وتعالٰی:

واخفض لھما جناح الذل من الرحمۃ[3]

اور جھکا دو تم اُن (ماں باپ) کے واسطے نرمی کے بازو رحمت سے۔

کیا معاذ اللہ قرآنِ عظیم نے انبیا و والدین کی عبادت کا حکم فرمایا ہے؟

(۴) امام ممدوح قدس سرہٗ نے شبہہِ تعظیمِ قبر کا بھی جواب فرمادیا کہ:

تعظیما لروحہ الٰی قولہ قدس سرہٗ والاعمال بالنیات[4]

یعنی تعظیمِ خشت وگِل نہیں بلکہ رُوحِ محبوب کی تعظیم مقصود ہو جو بلا شبہہ محمود ہے اور اعمال کا مدار نیت پر ہے۔

اللہ اللہ! کیسے نفیس وجامع کلمات ارشاد فرمائے، گویا اپنے نورِ باطن سے ادراک فرما لیا تھا کہ زید و امثالہ کو یہ شبہات عارض ہوں گے، سب کا جواب ان دو لفظوں میں فرما دیا کہ تعظیما لروحہ۔

---

[1] القرآن ۷/ ۱۵۷

[2] القرآن ۵/ ۱۲

[3] القرآن ۱۷/ ۲۴

[4] الحدیقۃ الندیۃ — ایقاد الشموع فی القبور — مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد — ۲/ ۶۳۰

(۵) زید نے کبھی تعبد کو تقرب سے تعبیر کیا کہ "محض تعبداً یعنی ازراہِ تقرب کیا جاتا ہے" اور کبھی تقرب کو تعبد سے تفسیر کیا کہ "اگر تقرب بمعنی تعبد منظور نہیں تقرب یعنی تعبد ہے" گویا اُس کے خیال میں تقرب و تعبد شیئ واحد یعنی ایک ہی چیز ہے، یہ محض باطل ہے بلکہ تقرب تعبد کے اعم سے اعم ہے، تعبد سے تعظیم اعم ہے کما علمت (جیسا کہ اوپر معلوم ہوچکا۔ت) اور تعظیم سے تقرب اعم ہے کہ بنائے رباط و ارسالِ ہدایا، تقرب ہے تعظیم نہیں و تفصیل المقام فی تعلیقاتنا علی ردالمحتار (اور اس مقام کی تفصیل ہمارے حاشیۂ ردالمحتار میں ہے۔ت)

(۶) اسے تقرب بروجہ تعبد بتانا مسلمانوں پر کیسی سخت بدگمانی اور اس پر جزم کرنا مسلمانوں پر کیسا صریح ظلم و افتراء ہے۔ درمختار میں غنیۃ الفتاوٰی و ذخیرہ و شرح وہبانیہ سے ہے:

انا لانسیئ الظن بالمسلم انہ یتقرب الی الآدمی بھذا النحو[1] — کسی مسلمان کے متعلق ہم یہ بدگمانی نہیں کرسکتے کہ وہ کسی انسان کی طرف اس طرح کا تقرب کرے گا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای علی وجہ العبادۃ لانہ المکفر وھذا بعید من حال المسلم[2] — یعنی عبادت کے طور پر تقرب اس لیے کہ اس سے آدمی کافر ہوجاتا ہے اور یہ مسلمان کے حال سے بعید ہے۔(ت)

(۷) طرفہ یہ کہ زید نے کہا "پیرزادے اس کو کرتے چلے آئے ہیں مگر پیرزادگان صالح ہوں، اہل اللہ ہوں معصوم نہیں، جہاں ہزاروں نیک کام مشائخ زمانہ کرتے ہیں، ایک یہ ناجائز بھی کسی مصلحت سے کرلیا، خدا معاف کرنے والا ہے۔" سبحان اللہ! صالح بھی ہیں، اہل اللہ بھی ہیں اور غیر خدا کے عابد بھی ہیں، اس سے بڑھ کر محال کیا ہوگا!

(۸) جب زید کے نزدیک وہ تعبد ہے تو قطعاً شرک ہوا اور شرک ہرگز معاف نہ ہوگا ان اللہ لایغفر ان یشرک بہ[3] (بیشک اللہ شرک کو نہیں بخشتا۔ت) پھر اس جملہ کا کیا محل رہا کہ "خدا معاف کرنے والا ہے"۔

(۹) جب ہزارہا بندگان صالحین و اہل اللہ پر یہاں تک بدگمانی ہے کہ تعبد غیر کا الزام ان کے سر تھوپا جاتا ہے، اور نہ صرف ظن بلکہ اس پر جزم کیا جاتا ہے۔ تو اس کی کیا شکایت کہ فقیر کے پاس سے جوابِ مسئلہ نہ پہنچنے کو پیرزادوں کی رعایت کے سبب سکوت عن الحق پر محمول کیا۔ فتاوٰی فقیر میں اس سوال کے جواب میں متعدد مقامات پر مذکور رسالہا سال سے اس پر مستقل فتوٰی مرقوم۔ خاص اس باب میں چھبیس برس سے رسالہ "طوالع النور" مکتوب،

---

[1] درمختار — کتاب الذبائح — مطبع مجتبائی دہلی — ۲/ ۲۳۰
[2] ردالمحتار — " — ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر — ۵/ ۱۹۷
[3] القرآن — ۴/ ۴۸

پھر رعایت وخوف سے سکوت کیا معنی ! فقیر کے یہاں علاوہ ردّ وہابیہ خذلہم اللہ تعالیٰ و دیگر مشاغل کثیرہ دینیہ کے کارِ فتویٰ اس درجہ وافر ہے کہ دس مفتیوں کے کام سے زائد ہے۔ شہر و دیگر بلاد و امصار جملہ اقطار ہندوستان و بنگال و پنجاب وملیبار و برہما واراکان وچین وغزنی و امریکہ و افریقہ حتیٰ کہ سرکار حرمین محترمین سے استفتاء آتے ہیں اور ایک ایک وقت میں پانچ پانچ سو جمع ہو جاتے ہیں۔ اس میں اگر جواب میں تاخیریں ہوں یا بعض استفتاء تحریرِ جواب سے رہ جائیں تو کیا جائے شکایت ہے لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا[1] (خدا کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ کا مکلّف نہیں بناتا۔ ت) ان صاحب کا استفتاء باوصف تلاش کاغذات میں نہ نکلا، ممکن ہے کہ ہجوم انبار میں نہ ملا ہو یا آیا ہی نہ ہو یا بھیجا ہی نہ ہو، اور جس طرح اہل اللہ پر تعبدِ غیر کا خیال بندھ گیا اس کا بھیجنا متخیل ہوا ہو۔ بہرحال رعایت کی صورت یہ نہیں ہوتی۔ ہاں ہاں کھلی کھلی رعایت و اغماض اور اپنے ساختہ متبوع کی خاطر حق سے صریح اعراض وہ ہے جو حضرات دیوبند کرتے ہیں۔ اسمٰعیل دہلوی صاحب نے اپنی کتاب مسمّٰی بہ "ایضاح الحق" میں زمان ومکان وجہت سے اللہ عزّوجل کو منزّہ ماننا اور اس کا دیدار بلاکیف وجہت ومحاذات حق جاننا بدعت حقیقیہ کے قبیل سے بتایا جبکہ اس عقیدہ کو کوئی دینی عقیدہ تصور کرے جس سے صاف روشن کہ مذہبی طور پر اللہ عزّوجل کو زمان ومکان وجہت سے پاک جاننا اور اس کا دیدار بلاکیف ماننا ضلالت وگمراہی وفی النار ہے۔ اور اہل سنّت کے تمام ائمہ سلف و خلف معاذاللہ سب بدعتی وگمراہ تھے۔ ایک مسلمان نے دہلوی صاحب کے اس قول کا دیوبندی صاحبوں سے استفتاء کیا اور حسبِ دستور مسائل کہ زید عمرو بکر کہہ کر دریافت کرتے ہیں دہلوی صاحب کا نام نہ لکھا اس پر عالیجناب شیخ الگنگوہ جناب مولوی (رشید احمد) گنگوہی صاحب نے یہ جواب تحریر فرمایا:

الجواب: "یہ شخص اہلسنت وجماعت سے جاہل اور بے بہرہ ہے اور یہ اعتقاد اور مقولہ جو درج سوال ہے کفر ہے۔ نعوذ باللہ منہ۔ حضرات سلف صالحین اور ائمۂ دین کا یہی مذہب ہے اور یہی احادیثِ صحیحہ و کلام اللہ شریف کی آیات سے ثابت ہے کہ حق تعالیٰ جل شانہٗ زمان ومکان وجہت سے پاک ہے، اور دیدار اس کا بہشت میں مسلمانوں کو نصیب ہوگا، چنانچہ کتبِ عقاید اس سے مشحون ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ بندہ رشید احمد گنگوہی"۔

اور اس پر حضرات دیوبند مولوی محمود حسن صاحب وعزیز الرحمان صاحب وغیر ہما نے مُہریں کیں، اور جناب اسمٰعیل صاحب دہلوی پر بددین، ملحد، زندیق کی چوٹیں جڑیں، علی الخصوص ہمارے ذکر کے قابل عالیجناب مولوی اشرفعلی تھانوی صاحب ہیں جنھوں نے اس حکم کفر دہلوی صاحب پر یوں تصدیق فرمائی: "الجواب صحیح۔ اشرفعلی عفی عنہ"۔

---

[1] القرآن ۲/۲۸۶

جب حضرات یہ فتویٰ دے چکے، اب مسلمانوں نے پندرہ سوال کا استفتاء ان حضرات سے کیا اور اسمٰعیل دہلوی صاحب اور ان کی ناقص کتاب "ایضاح الحق" کا نام و کلام کھول کر دکھایا کہ مفتی صاحبو! وہ شریعت کا حکم اب بھی مانو گے یا طائفہ کے پیرجی کو خدا کی حکومت سے باہر جانو گے؟ ۲۸ صفر ۱۳۲۹ھ کو یہ استفتاء طبع ہو کر شائع ہوا، تین برس ہونے کو آئے ہیں سب صاحب ساکت و خاموش در خوابِ خرگوش۔ مشکل تو یہ ہے کہ بولیں تو کیا بولیں، قسمت کا لکھا کیونکر دھولیں، اپنے منہ اپنے امام الطائفہ پر کفر کا فتویٰ لگا چکے ہیں اب اس سے پھریں تو کیونکر، اور امام الطائفہ پر حکم کفر کریں تو کیونکر؟ اب وہ فتویٰ سانپ کے منہ کی چھچھوندر ہو گیا کہ اُگلے تو اندھا نگلے تو کوڑھی۔ چار ناچار سکوت کی اوڑھی، اسے حق پوشی کہتے ہیں اسے ناحق کوشی کہتے ہیں، اسے پیرجی پرستی کہتے ہیں، اسے بادۂ خیانت کی بدمستی کہتے ہیں، بلا سے ہو، جواب نہ دیتے دل میں پشیمان تو ہوتے کہ جسے خود اپنے فتووں میں کفر بکنے والا، بددین، ملحد، زندیق لکھ چکے، اب تو اس کی غلامی چھوڑیں، اسے پیشوا ماننے سے منہ موڑیں، مگر حاشا ؎

چھٹتی کہاں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

اب تک وُہ ویسا ہی چنیں وچناں، ویسا ہی امام، یہ اس کے ویسی ہی چناں چنیں، ویسے ہی غلام۔

مسلمانو! انصاف، یہ کون سا دین ہے، کون سی دیانت ہے، اور اس پر ادعائے ایمان وامانت ہے، ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

مسلمانو! اس کا تعجب نہیں کہ اللہ واحد قہار و محمد رسول اللہ سید الابرار جل جلالہٗ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ وسلم کی سخت سے سخت توہینیں کرنے والے کیوں اپنے باطل پر ایسے اڑے ہیں؟ کیوں چاہِ ضلالت میں اوپر تلے یوں اوندھے پڑے ہیں؟ عجب تو یہ ہے کہ دیکھنے والے یہ کچھ ان کے کوتک دیکھیں اور پھر اُن کے جُبّہ و دستار کے دام میں پھنسیں، گویا یہ حرکات ایک سہل سی بات، ناقابلِ التفات، کوئی کسی کا دس پانچ روپے کا مال چرالے یا دغا سے دبالے ہمیشہ کو نظروں سے گر جائے، چور دغاباز نام قرار پائے۔ اور معاذ اللہ! اگر کسی مشہور بنام علم پر ایسا الزام عائد ہو تو اس کی تشہیر حد سے زائد ہو، دس پانچ روپے کا جرم یوں ناقابلِ تلافی، اور خاص دین و مذہب و عقائد میں ایسی چوری خیانت سب معافی۔ معافی کیسی خطا ہی نہیں، وضوئے تمیز کبھی ٹوٹا ہی نہیں۔ یہ کیا ظلم ہے، کیا بے پروائی ہے، کیسی آنکھوں پر چربی چھائی ہے۔ مسلمانو! آنکھ کھولو، ورنہ پیشیِ فردا کے لیے مستعد ہو لو ؎

بروزِ حشر شود ہمچو صبح معلومت
کہ با کہ باختۂ عشق در شبِ دیجور

(حشر کے دن صبح کی طرح تجھ پر واضح ہو گا کہ تُو نے اندھیری رات میں کس سے عشق بازی کی ہے۔ ت)

اس تمام شرمناک واقعہ کی تفصیل اور وہ پندرہ سوال ایک مختصر رسالے "دیوبندی مولویوں کا ایمان" میں ہے،

اُسے ملاحظہ کیجئے کہ حق واضح ہے اور خیانت وحق پوشی دونوں کی پُوری پہچان ہے۔ جن صاحب کو انکار ہو۔ گنے گِنے بھُول گئے، پھر گن لو۔ جناب مولوی تھانوی صاحب سے ان سوالوں کے جواب دلوالو۔ بہادری تو جب ہے کہ اُن کے مُنہ کی مُہر کُھلوالو۔ کچھ ایسا بہت سا قضیہ نہیں، کچھ علمی مباحث دقیقہ نہیں۔ حق گوئی وحق پوشی کا سیدھا سا امتحان ہے کہ دہلوی صاحب کا جب تک نام معلوم نہ تھا کفر والحاد کا حکم مرقوم تھا، اب کہ قائل معلوم ہوا کہ وہ حکم کس لیے معدوم ہُوا، کیا کوئی نئی شریعت آگئی؟ تحذیر الناس نئی نبوت کا سکہ جما گئی جس نے شریعتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیۃ منسوخ کر دی۔ امام جی کی قبر اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ (کیا تمھارے لیے کتابوں میں کوئی برات ہے؟ - ت) سے بھر دی۔ اور اگر یہ نہیں تو کیوں نہیں اپنے ہونٹ کھولتے؟ کیوں نہیں وہ حُکمِ کفر والحاد بولتے؟ بیّنوا توجروا، بیّنوا توجروا، بیّنوا توجروا (بیان کرکے اجر پاؤ۔ ت) اور نہیں تو زید صاحب ہی اتنا ثواب لیں۔ اس فتوے کے ساتھ وہ سوال بھی حاضر ہوتے ہیں حضرت تھانوی صاحب سے اب جواب لیں۔ زید صاحب کی تحریر پکار رہی ہے کہ اُن کو انصاف وحق جوئی سے دلچسپی ہے وہ ضرور تھانوی صاحب کی خبر لیں گے اور اب جواب نہ ملنے پر انصاف کرلیں گے۔ اے رب توفیق دے، ہدایتِ طریق دے، آمین آمین! والحمدللہ رب العالمین۔

(۱۰) اب زید صاحب کے حوالوں پر نظر ڈالئے۔ درمختار کا حوالہ محض غلط ہے۔

(۱۱) عٰلمگیری کی عبارت میں لا اصل لہٗ (اس کی کوئی اصل نہیں۔ ت) اپنی طرف سے بڑھالیا۔

(۱۲) بزازیہ کی عبارت سے واتلاف مال (مال کا ضیاع۔ ت) کم کردیا جس سے علتِ منع ظاہر ہوتی کہ جہاں بے فائدہ محض ہے وہاں ممانعت ہے۔

(۱۳) پھر اس کی کیا شکایت کہ عٰلمگیری میں اِلٰى رَأْسِ الْقُبُوْرِ (قبروں کے سرہانے۔ ت) تھا، اسے اِلَى الْمَقَابِر (قبروں کی طرف۔ ت) بنالیا تاکہ عموم بڑھ جائے۔

(۱۴) ہاں پُوری چالاکی یہ ہے کہ عبارت عٰلمگیری سے فِي اللَّيَالِي الْأُوَلِ (پہلی چند راتوں میں۔ ت) کا لفظ اُڑا دیا، عٰلمگیری کی اصل عبارت یہ ہے:

اِخْرَاجُ الشُّمُوْعِ اِلٰى رَأْسِ الْقُبُوْرِ فِي اللَّيَالِي الْأُوَلِ بِدْعَةٌ كَذَا فِي السِّرَاجِيَّةِ [1]	یعنی موت کی پہلی چند راتوں میں شمعیں گھروں سے قبروں کے سرہانے لے جانا بدعت ہے۔ ایسا ہی فتاوٰی سراجیہ میں ہے۔

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس عشر فی زیارۃ القبور نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۵۱

فتاوٰی سراجیہ دیکھیے اس میں بھی یہ عبارت بعینہٖ اسی طرح ہے۔ اس کے بعد اتنا زائد ہے:

ذکرہ الشیخ الامام الزاھد الصفار البخاری رحمہ اللہ تعالٰی فی کتاب الاعتقاد[1] | یہ مسئلہ شیخ امام زاہد صفار بخاری رحمہ اللہ تعالٰی نے کتاب الاعتقاد میں ذکر فرمایا۔

ظاہر ہے کہ یہاں قبورِ عوام ہی کا ذکر ہے کہ اعراسِ طیبہ یا مزاراتِ اولیاء کی روشنی فقط پہلی چند راتوں میں نہیں ہوتی، اور ظاہر ہے کہ وہ ایک عادتِ خاصہ کا بیان ہے ورنہ لیالی اوّل کی تخصیص بے وجہ تھی، اب جس طرح یہاں جہّال میں رواج ہے کہ مُردہ کو جہاں کچھ زمین کھود کر نہلاتے ہیں جسے عوام لحد کہتے ہیں۔ چالیس رات چراغ جلاتے اور یہ خیال کرتے ہیں کہ چالیس شب رُوح لحد پر آتی ہے اندھیرا دیکھ کر پلٹ جاتی ہے۔ یُوں ہی اگر وہاں جُہّال میں رواج ہو کہ موت سے چند رات تک گھروں سے شمعیں جلا کر قبروں کے سرہانے رکھ آتے ہوں اور یہ خیال کرتے ہوں کہ نئے گھر میں بے روشنی کے گھبرائے گا، تو اس کے بدعت ہونے میں کیا شبہہ ہے، اور اس کا پتا یہاں بھی قبروں کے سرہانے چراغ کے لیے طاق بنانے سے چلتا ہے۔ اور بیشک اس خیال سے جلانا فقط اسراف و تضییعِ مال ہی نہیں کہ محض بدعتِ عمل ہو، بلکہ بدعتِ عقیدہ ہُوئی کہ قبر کے اندر روشنی و اموات کا اس سے دل بہلنا سمجھا، ولہذا امام صفار رحمہ اللہ نے اس مسئلہ کو کتاب الاعتقاد میں ذکر فرمایا۔ اب ملاحظہ ہو کہ اس روایت کو ہمارے مسئلہ سے کیا تعلق رہا! وَالْاِحْتِمَالُ یَقْطَعُ الْاِسْتِدْلَالَ (اور احتمال، استدلال ختم کر دیتا ہے۔ ت)

(۱۵) اس روایت میں اخراج کا لفظ بھی قابلِ لحاظ ہے۔ قبورِ عوام ہی کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہاں نہ کوئی مکان ہوتا ہے نہ حاضر رہنے والے، نہ کوئی سامانِ روشنی۔ گھر ہی سے چراغ لے جانا پڑتا ہے بخلاف مزاراتِ طیبہ کے کہ وہاں گھر سے لے جانے کی حاجت نہیں ہوتی، تو ذکر قبورِ عوام ہی کا ہے، اور اگر زید نہ مانے اور اسے چراغان مزاراتِ طیبہ کی نسبت جانے تو آٹھ سو برس سے تو اس روشنی کا ثبوت ہوگیا، جسے زید نے مشائخ زمانہ کا فعل کہا کہ امام زاہد صفار رحمہ اللہ تعالٰی کی وفات ۵۳۴ھ میں ہے[2] کما فی الطبقات الکبرٰی و کشف الظنون (جیسا کہ طبقات کبرٰی اور کشف الظنون میں ہے۔ ت)

(۱۶) سب سے زیادہ خوفناک تحریف یہ ہے تَتَّخِذُوْنَ عَلَیْھِمْ مَّسَاجِدَ کو قرآنِ عظیم کا لفظِ کریم بنالیا، حالانکہ یہ جُملہ قرآنِ عظیم میں کہیں نہیں۔ یہ تینوں لفظ متفرق طور پر ضرور قرآنِ عظیم میں آئے ہیں مثلاً تتخذون مصانع[3] انعمت علیھم[4] و مساجد یذکر فیھا اسم اللہ[5]۔ مگر اس ترکیب و ترتیب سے کہیں نہیں

---

[1] فتاوٰی سراجیہ کتاب الکراہیۃ منشی نولکشور لکھنؤ ص ۷۳

[2] کشف الظنون

[3] القرآن ۲۶/ ۱۲۹

[4] القرآن ۱/ ۷

[5] القرآن ۲/ ۱۱۴

سُورۂ کہف میں یُوں ہے :

قَالَ الَّذِیْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓی اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَیْهِمْ مَّسْجِدًا[1] ۔ وہ بولے جو اس کام میں غالب رہے تھے قسم ہے کہ ہم تو ان پر مسجد بنائیں گے ۔ (ت)

پھر بھی دیوبندی صاحبوں کے حال سے غنیمت ہے کہ وہ تو انوکھی کتابیں دل سے گھڑ لیتے ہیں ، اُن کے صفحے بنالیتے ہیں ، اُن کی عبارتیں دل سے تراش لیتے ہیں ' اور اکابر اولیائے کرام وعلمائے عظام کی طرف نسبت کر دیتے ہیں ۔ دیکھو دیوبندیوں کی لال کتاب "سیف النقی" اور اس کے رَد میں العذاب البئیس وغیرہ تحریراتِ کثیرہ ۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم ۔

(۱۷) زید کو اقرار ہے کہ فعلِ مشائخ سے قدیم چلا آتا ہے اگرچہ کہیں تو اُنھیں مشائخ زمانہ لکھا ، کہیں پیرزادے اور کہیں مجاور ، جن کے لیے قبور ذریعۂ معاش ہیں ، مگر شروع میں تحریر فرما چکے ہیں کہ " میں بقسمِ شرعی باور کراتا ہُوں کہ میں نے کوشش کی کہ چراغانِ قبور کا کسی تاویل سے استحسان ثابت ہوجائے تو میں رسمِ قدیم کی مخالفت نہ کروں " اور اس کا جواب وُہ دیا کہ " پیرزادگان صالح ہوں ، اہل اللہ ہوں ، معصوم نہیں " ۔ زید صاحب معصوم کے سوا کسی کی نہیں مانتے ۔ مگر افسوس ، جب وہ صالحین ہیں ، اہل اللہ ہیں تو یہی عالمگیری جس کی سند سے آپ انھیں بدعتی بنانا چاہتے ہیں اُن کے افعال کو دین میں سند وحجت بتاتی ہے ۔ فتاوٰی عالمگیری میں مشائخ کرام ہی کے ذکر میں ہے ، یتمسک بافعال اھل الدین کذا فی جواھر الفتاوٰی[2] ۔ تمسک کیا جائے اہلِ دین کے افعال سے ۔ ایسا ہی جواہر الفتاوٰی میں ہے ۔

(۱۸) سرکارِ اعظم حضور پُرنور مدینہ طیبہ صلی اللہ تعالٰی علٰی من طیبها وآلہ وبارک وسلم میں وُہ جلیل وجمیل روشنی ، وہ جانفزا دلکشا روشنی ، وُہ دل افروز وہابی سوز روشنی کہ نہایت تزک واحتشام سے ہوتی ہے اس کے جواب میں زید نے یہ تاویل گھڑی کہ وہ روشنی مسجد کریم کے لیے ہے ، نہ کہ مزارِ اقدس کے واسطے صلی اللہ تعالٰی علٰی صاحبہ وآلہ وبارک وسلم ۔ شاید زید کو زیارت سراپا طہارت نصیب نہ ہُوئی ۔ اپنے قصبہ کی کسی مسجد پر قیاس کیا جہاں دمڑی کے چراغ میں دھیلے کا تیل ، وہاں کے فرشی جھاڑوں اور کثیر التعداد فانوسوں اور ہزارہا روپے کے شیشہ آلات اور اُن کی دل نواز جگمگاہٹ دیکھو تو آپ کی خشن بے ذوق طبیعت کے طور پر یہ مسجد کے لیے کب جائز ہو ، وہی بزازیہ جس سے یہ سند لائے اُسی کی دربارۂ مسجد بھی سُنیے ، اس کی کتاب الوصایا فصل اوّل میں ہے :

---

[1] القرآن ۱۸/ ۲۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب السابع عشر فی الغناء واللہو الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۱

قال ثلث مالی فی سبیل اللہ ففی النوازل لو صرف الی سراج المسجد یجوز لکن الی سراج واحد فی رمضان وغیرہ[1]

یعنی اگر کوئی اپنے تہائی مال کی وصیت راہِ خدا کے لیے کرے تو اس سے مسجد کا چراغ بھی جلا سکتے ہیں مگر صرف ایک چراغ، رمضان ہو یا غیر رمضان۔

(۱۹) زید صاحب کو چاہیے ذرا حج وزیارت سے مشرف ہوں وہاں اُن کو مسجد الحرام شریف میں کچھ ہانڈیاں گردِ مطاف نظر آئیں گی کہ ساری مسجد کریم کو پوری روشنی نہیں دیتیں، اور سرکارِ اعظم میں وہ نظر آئے گا جس سے آنکھیں چُندھیا جائیں۔ اگر یہ روشنی مسجد کے لیے ہوتی تو مسجد الحرام شریف زیادہ مستحق تھی کہ وہ مسجد مدینہ طیبہ سے افضل بھی ہے اور وسعت میں بھی کئی حصے زیادہ، نہیں نہیں، بالیقین وہ تجمل روضۂ پُر انوار حضور سید الابرار صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے لیے ہیں، جسے ہر سمجھ والا بنگاہِ اولیں ادراک کرلیتا ہے۔ میرے دل سے اُن لفظوں کا ذوق نہیں جاتا جو ایک مسلمان زائر نے حج کے بعد شان وتجمل روضۂ انور دیکھ کر کہے تھے کہ یہاں شانِ محبوبیت کھلتی ہے، اس نے کہ گھر سے پاک ہے اپنا گھر یُوں سادہ رکھا ہے اور کاشانۂ محبوب کے یہ سازو سامان ہیں، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ دیکھیے نگاہِ ظاہر پر اس شان وشکوہ کا کیسا اثر پڑا کہ اُس ناظر کے دل میں ایمان جگمگا اُٹھا۔ اسی حکمت کے لیے تو علمائے کرام نے تجمل ظاہر پسند فرمایا ہے ورنہ حاشا للہ ع

حاجت مشاطہ نیست روئے دلآرام را

(دل کو سکون دینے والے چہرے کے لیے آرائش کی ضرورت نہیں۔ ت)

اللھم ارزقنا الایمان الکامل والموت علیہ بجاہ حبیبک وعروس مملکتک صلی اللہ علیہ وعلٰی آلہ وبارک وسلم۔ آمین۔

اے اللہ! ہمیں ایمانِ کامل نصیب کر اور اسی پر ہمیں موت دے اپنے حبیب اور اپنے عروس مملکت کے طفیل، اللہ تعالٰی ان پر اور ان کی آل پر درود وسلام اور برکت نازل فرمائے۔ الٰہی قبول فرما! (ت)

(۲۰) مسجد میں روشنی خشت وگل کی ذات کے لیے نہیں ہوتی بلکہ نمازیوں کے واسطے، بلکہ نماز میں بھی اصل نظر صرف فرائض پر مقصور ہے کہ اصالۃً بنائے مسجد انہی کے لیے ہے، ولہذا جہاں تہجد وغیرہ نوافل خواں وذاکرین شب بھر مسجد میں رہتے یا رات کے سب حصّوں میں ان کی آمد ورفت مسجد میں رہتی ہو، اور اس وجہ سے وہاں شب بھر روشنی رکھنے کی عادت ہو یا واقف نے خود اس کی تصریح کردی ہو، ایسی جگہ کے علاوہ باقی تمام مساجد میں تہائی رات کے بعد روشنی گُل کردینے کا حکم ہے کہ اب اسراف وتضییعِ مال ہے۔

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی حامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الوصایا نورانی کتب خانہ پشاور ۶/۴۳۵

فتاوٰی خانیہ و فتاوٰی عالمگیریہ وغیرہ میں ہے :

لاباس بان یترك سراج المسجد الی ثلث اللیل ولایترك اکثرمن ذلك الااذا شرط الواقف ذلك اوکان ذلك معتادا فی ذلك الموضع[1]

مسجد کا چراغ مسجد میں تہائی رات تک جلتا چھوڑدینے میں حرج نہیں اور اس سے زیادہ نہ جلایا جائے، لیکن جبکہ واقف نے اس کی شرط رکھی ہو یا وہاں اس کا رواج ہو۔ (ت)

سراج وہاج پھر ہندیہ میں ہے :

لو وقف علی دھن السراج للمسجد لایجوز وضعہ جمیع اللیل بل بقدر حاجۃ المصلین ویجوز الی ثلث اللیل اونصفہ اذا احتیج الیہ للصلوٰۃ فیہ[2]

اگر مسجد کے چراغ کے لیے وقف کیا تو پوری رات چراغ جلانا جائز نہیں بلکہ تہائی رات تک جواز ہے یا نصف شب تک جبکہ نماز کے لیے اس کی ضرورت ہو۔ (ت)

اور مسجد اکرم سرکار اعظم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ واصحابہ وسلم میں نماز عشاء کے بعد کوئی رہنے نہیں پاتا، لوگوں کو باہر کرکے سحر تک دروازے بند رکھتے ہیں، اور یہ عادت آج سے نہیں صدہا سال سے ہے۔ امام جلیل ابوالحسن سمہودی کتاب وفاء الوفاء میں جس کی تصنیف ۸۸۶ھ میں فرمائی، پھر اس کے خلاصہ خلاصۃ الوفاء میں فرماتے ہیں :

یطاف لاخراج الناس من المسجد بعد العشاء الاخرۃ بفوانیس ستۃ رتبہا شیخ الخدام شبل الدولۃ کافور المظفری الحریری وکان الطواف قبلہ بشعل من السعف[3]

نماز عشاء کے بعد لوگوں کو مسجد کریم سے باہر کرنے کیلئے اب چھ فانوس لے کر دورہ کرتے ہیں جن کو خدام کے شیخ شبل الدولہ کافور المظفری الحریری نے بنایا ہے جبکہ قبل ازیں کھجور کی شاخ کی شمع سے دورہ ہوتا تھا۔ (ت)

نیز اس پر اس سے بہت پہلے کی وہ جلیل القدر معجزہ خسف بدخواہان ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی عظیم حکایت دال ہے جو اسی کتاب وفاء الوفا تصنیف ۸۸۶ ہجری، اور اس سے پہلے کتاب ریاض النضرۃ

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوقف منشی نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۱۹

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب الحادی عشر فی المسجد الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۹

[3] وفاء الوفاء فصل ۳۱ عدد قنادیل المسجد داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۸۱-۸۲

امام محب الدین طبری متوفی ۶۹۴ھ ہجری' وکتاب تاریخ المدینہ للامام الجلیل ابی محمد عبداللہ المرجانی میں مذکور و ماثور ہے، اور ان سب سے پہلے خادم روضۂ مطہرہ نے امام ابوعبداللہ قرطبی کے سامنے اسے روایت کیا' اس کی اصل خود امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ثابت۔ بلاذری نے ابوسعید مولی ابی اسید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی:

قال کان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ یعس فی المسجد بعد العشاء فلا یری احدا الا اخرجہ الا رجلا قائما یصلی[1]

فرمایا، امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نمازِ عشاء کے بعد مسجد کریم میں دیکھ بھال کے لیے دورہ فرماتے جسے دیکھتے مسجد سے باہر فرما دیتے' مگر جو شخص کھڑا نماز پڑھ رہا ہو۔

بااینہمہ مسجد کریم میں صبح تک روشنی رہتی ہے' اور فقہائے کرام نے اس کے جواز کی تصریح فرمائی۔ وہی بزازیہ کتاب الوقف فصل رابع ملاحظہ کیجئے:

یجوز ترک سراج المسجد فیہ من المغرب الی العشاء لا کل اللیل الا اذا جرت العادۃ بذلک کمسجد سیدنا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[2]

جائز ہے مسجد کے چراغ کا مسجد میں چھوڑنا مغرب سے عشاء تک نہ کہ تمام شب۔ مگر جب کہ اس کی عادت ہو جیسے کہ مسجد نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم۔

اس سے بھی روشن کہ یہ روشنی نمازیوں کے لیے نہیں ہے بلکہ روضۂ اقدس کے لیے ہے اور ہم عنقریب کلام ائمہ سے اس کی تصریح نقل کریں گے، وباللہ التوفیق۔

(۲۱) زید صاحب نے یہ روشنی مزار اطہر کے لیے نہ ہونے کی وہ بھاری دلیل گھڑی جس کے بوجھ میں خود ہی دب کر رہے۔ ذرا یہ نئی منطق جہان بھر سے بھی جدا منطق الطیر سے بھی سوا ملاحظہ ہو "قبر شریف درحقیقت روپوش ہے بھلا پھر روشنی اس کے لیے ہو سکتی ہے" گویا جو شیئ نظر نہ آئے اس سے اعتناء' اس کی تکریم ہو ہی نہیں سکتی۔ اہل اللہ پر عبادتِ قبور کا الزام رکھا تھا جس کی تکذیب کو ان کا اہل اللہ ہونا ہی بس تھا مگر کہیں یہ مسئلہ عبادِ صنم کی تائید نہ کرے۔ وہ یہی کہتے ہیں کہ بے دیکھے تعظیم کیسی؟

(۲۲) حجرۂ مطہرہ کی آرائشیں اور اس پر وہ ہزار ہا روپے کی تیاری کا غلاف شریف یہ بھی شاید مسجد ہی کے لیے ہو کر مزار کریم تو مستور ہے۔

---

[1] وفاء الوفا فصل ۳۰ فی تحصیب المسجد احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۶۹
[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲۶۹

(۲۳) غنیمت ہے کہ اس مسئلہ میں تعظیم قبور کا الزام تو قطع ہوا۔ مزاراتِ اولیائے کرام عموماً جہاں جہاں روشنی ہوتی ہے خصوصاً ایامِ اعراس میں غلافوں سے روپوش ہوتے ہیں تو بطور زید بھی یہ روشنی تعظیم قبور کے لیے نہیں ہوسکتی۔

(۲۴) دوسری بات یہ کہ روشنی منجانب سلطان ہوتی ہے جس نے بنک قائم کیا۔ اس کہنے کا محل جب تھا کہ فعلِ سلطان سے کسی نے استناد کیا ہوتا کہ یہ روشنی اس لیے جائز ہوتی ہے کہ سلطان کی طرف سے ہوتی ہے، اور جب ایسا نہیں تو بے محل محض سلطان ترکی کو باتباع لہجہ نصارٰی بکروہ لفظ ٹرکی سے تعبیر کرکے بلاوجہ سلطانِ اسلام کی عیب چینی کیا مصلحت ہوئی۔ حدیث میں ہے:

السلطان ظل اللّٰہ فی الارض فمن اکرمہ اکرمہ اللّٰہ ومن اھانہ اھانہ اللّٰہ[1] رواہ الطبرانی فی الکبیر والبیھقی فی الشعب عن ابی بکرۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ واٰلہ وسلم۔

سلطان زمین میں اللہ تعالٰی کا سایہ ہے جو اس کی عزت کرے اللہ تعالٰی اس کو عزت دے، اور جو اس کی توہین کرے اللہ تعالٰی اسے ذلت دے۔ اسے طبرانی نے معجم کبیر میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انھوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا۔

لاجرم یہ اپنی طرف سے عدمِ جواز روشنی پر اقامت دلیل ہے، بہ ضرورت اس کے ذکر کی طرف ہوئی اگرچہ اب بھی شرعِ مطہر مسئلہ کی روش سے دُور ہے کہ اس کی سند کتابت بعض اخبارات ہی ہوگی اور اخباری بیانات جیسے ہوتے ہیں معلوم ہیں۔ امام حجۃ الاسلام نے احیاء العلوم میں تصریح فرمائی کہ کسی مسلمان کی طرف نسبتِ کبیرہ حرام ہے، جب تک تواتر سے یقینی الثبوت نہ ہو نہ کہ محض اخباری گپّیں۔ اگر صحیح بھی ہو تو ممکن بلکہ مظنون کہ وہ اس نئی جماعت حریّت کی طرف سے ہوگا تو سلطان کے سر اس کبیرہ کا باندھنا محض جزاف ہے پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ "بینک سود دینے کے لیے ہے یا معاذ اللہ سُود لینے کے لیے، سلطنت میں اس وقت وُہ وسعت کہاں کہ لوگوں کو کثیر المقدار قرض دے، وُہ خود اپنی ضروریات شدیدہ کے لیے روپے کی حاجتمند ہے اور حاجتِ شرعیہ کے وقت سود دینے کی اجازت ہے۔ درمختار میں ہے:

یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح[2]

نفع دینے کی شرط پر حاجتمند کو قرض لینا جائز ہے (ت)

بہرحال اب حاصل دلیل یہ ہے کہ یہ سلطان کی طرف سے ہے اور سلطان فاسق ہیں، اور جو فاسق کی طرف

[1] شعب الایمان باب فی طاعۃ اولی الامر حدیث ۷۳۷۳ دارالکتب العلمیہ بیروت ۶/ ۱۷

[2] الاشباہ والنظائر بحوالہ القنیہ والبغیہ القاعدۃ السادسہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۱۲۶

سے ہو سب ناجائز ہے۔ اس دلیل کی خوبی اس کے کبریٰ کی کلیت سے ظاہر قرآن پر اعراب لگانا تو شاید سخت ہی بدتر کام ہوگا کہ حجاج جیسے ظالم اظلم کی طرف سے ہے۔

(۲۵) سلطانِ اسلام سے فارغ ہو کر حرمین طیبین کی طرف متوجہ ہوئے کہ وہاں کا بڑا حصہ ڈاڑھی کترواتا ہے الحمدللہ کہ کلیہ نہ کہا، ہر جگہ ہمیشہ بڑا حصہ عوام کا ہوتا ہے۔ اگر عام طور پر عوام صدہا سال سے ایک فعل کریں اور وہ بھی مسجد میں، اور وُہ بھی مسجد اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں، اور وہ بھی کارِ خیر و موجب اجر و تعظیم شعائر اللہ و اجلال حرمات اللہ جان کر۔ بااینہمہ جماہیر علماء روزانہ دیکھیں اور منع نہ فرمائیں تو استناد تقریر علماء سے ہوگا نہ کہ فعلِ عوام سے۔

(۲۶) خود ہی سمجھ کر کہ تعامل ہے نہ مجرد عمل عوام اس کا یہ علاج کیا کہ تعامل حرمین شریفین کا بعد قرونِ ثلٰثہ کے سند نہیں۔ قرونِ ثلٰثہ کی تخصیص کا قضیہ ہمارے رسالہ ردّ وہابیہ میں جابجا رَد ہو چکا اور مسئلہ تعامل حرمین شریفین بھی کتاب مستطاب "اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد" قاعدہ یازدہم میں واضح فرمادیا گیا، یہاں اسی قدر کافی کہ شیخ محقق جذب القلوب شریف میں حدیث صحیح بخاری: انہا طیبۃ تنفی الذنوب کما تنفی الکیر خبث الفضۃ (بیشک وُہ طیبہ ہے، گناہوں کو دُور کرتا ہے جیسے بھٹی چاندی کا مَیل دور کرتی ہے۔ ت) وغیرہ بیان کرکے فرماتے ہیں:

"مراد نفی و ابعاد اہلِ شر و فساد است از ساحت عزت ایں بلدہ طیبہ و بقول اکثر علمائے دین خاصیت مذکورہ دروے در جمیع ازمان و دہور پیدا است۔"[1]

اس شہر پاک کی سرزمین سے شر و فساد والوں کو دور کرنا مراد ہے اور اکثر علمائے دین کے بقول اس میں یہ خاصیت ہر دَور اور ہر زمانے میں ہے۔ (ت)

صحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان الایمان لیارز الی المدینۃ کما تارز الحیۃ الی جحرھا۔[2]

بیشک ایمان مدینہ کی طرف سمٹتا ہے جیسے سانپ اپنے بل کی طرف۔

امام قرطبی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

فیہ تنبیہ علٰی صحۃ مذھبھم وسلامتھم من البدع وان عملھم حجۃ فی زماننا۔[3]

اس حدیث شریف میں تنبیہ ہے اس پر کہ اُن کا مذہب صحیح ہے اور وُہ بدعتوں سے پاک ہیں اُن کا عمل ہمارے زمانہ میں حجت ہے۔

---

[1] جذب القلوب باب دوم در ذکر فضائل منشی نولکشور لکھنؤ ص ۲۵

[2] صحیح البخاری باب الایمان یارز الی المدینۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۲

[3] عمدۃ القاری شرح البخاری بحوالہ قرطبی دارالطباعۃ المنیریہ بیروت ۱۰/۲۴۰

(۲۷) آگے ترقی کرکے تعامل حرمین شریفین کو بالکل ساقط و نامعتبر کردیا۔ قرونِ ثلٰثہ کا استثنا بھی اُڑ گیا، اور دلیل یہ کہ حجت صرف قرآن و حدیث و اجماع و قیاس مجتہدین ہیں۔ ابھی کہا تھا کہ "چراغاں کا جواز اگر آج بھی کسی عالم مستند کی کتاب سے نکل آئے تو مجھ کو کد نہ ہوگی"۔ اور ممانعت کے لیے شاہ رفیع الدین صاحب کے فتوے اور قاضی صاحب پانی پتی کی مالابد و ارشاد الطالبین سے استناد کیا۔ یہ لوگ اور ان کا کلام بھی نہ قرآن ہے، نہ حدیث، نہ اجماع، نہ قیاسِ مجتہدین۔ پھر یہ پانچویں حجت کہاں سے نکل آئی!

(۲۸) ابھی جواہر الفتاوٰی وفتاوٰی عالمگیریہ سے گزرا کہ دینداروں کے افعال سند ہوتے ہیں، یہ چھٹی حجت ہوئی۔

(۲۹) اب بفضل اللہ عزّوجل ہم وہ عبارات جانفزا ذکر کریں جن سے یہ ثابت ہو کہ روضۂ انور میں کیسی روشنی ہوتی ہے اور کے سو برس سے رائج ہے، جب سلطنت عثمانیہ کی بنیاد بھی نہ پڑی تھی، اور یہ کہ وہ خاص روضۂ اطہر ہی کے واسطے ہے نہ کہ بہ نیتِ مسجد۔ اور یہ کہ وہ بمنظوریٔ علماء کرام ہے نہ کہ صرف فعل سلاطین۔ اور یہ کہ کیسے امام جلیل نے اُس کے جواز کا روشن فتوٰی دیا، نہ فتوٰی بلکہ خاص اس باب میں مستقل رسالہ تصنیف فرمایا، والحمد للہ۔ عالم مدینۂ طیبہ امام اجل سید ابو الحسن علی نور الدین بن عبداللہ سمہودی مدنی قدس سرہٗ، معاصر امام اجل جلال الملۃ والدین سیوطی رحمہما اللہ تعالٰی نے (کہ دونوں حضرات کی وفات شریف ۹۱۱ھ میں ہوئی) کتاب مستطاب خلاصۃ الوفاء باخبار دار المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم تصنیف ۸۹۳ ہجری کے باب رابع کی شانزدہ گانہ فصلوں میں فصل ۱۱ روضۂ اقدس کے تزک و احتشام و شیشہ آلات و سامان روشنی کے بیان میں وضع فرمائی، اور فصل ۱۴ مسجد مقدس کے ستونوں، چراغوں وغیرہ کے بیان میں جُدا لکھی، اس فصل مسجد میں فرمایا:

بصحن مسجد اربع مشاعل تشعل فی لیالی الزیارات المشہورۃ وما علمت اول من احدثہا وبالمسجد سلاسل کثیرۃ للقنادیل عملت بعد الحریق والمرتب للوقود منہا یزید وینقص لما لا یخفی[1]

مسجد کریم کے صحن میں چار مشعلیں ہیں کہ زیارت کی مشہور راتوں میں روشن کی جاتی ہیں اور مجھے معلوم نہ ہوا کہ اول اول یہ مشعلیں کس نے رکھیں، اور مسجد میں قندیلوں کی بہت سی زنجیریں ہیں کہ آتشزدگی کے بعد بنیں اور اُن کی روشنی کا راتب گھٹتا بڑھتا ہے جس کا سبب ظاہر ہے۔

---

[1] وفاء الوفاء فصل ۳۱ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۸۱

اور اس فصل روضۂ انور میں فرمایا:

اما معالیق الحجرة الشریفة التی تعلق حولها من قنادیل الذھب والفضة ونحوھما فلم اقف علی ابتداء حدوثھا الا ان ابن النجار قال ما لفظہ فی سقف المسجد الذی بین القبلة والحجرة علی رأس الزوار اذا وقفوا معلق نیف واربعون قندیلا کبارا وصغارا من الفضة المنقوشة والساذجة وفیھا اثنان من بلور وواحد من ذھب وفیھا قمر من فضة مغموس فی الذھب وھذہ تنفذ من البلدان من الملوك وارباب الحشمة انتھی۔ وعمل من ذکر مستمر بذلك لم تزل ھذہ القنادیل فی زیادة ومن احسن ما رأیت من معالیق الحجرة قندیل من فولاد کبیر احسن التکوین مخرما مکفتا بذھب یضیئ اذا اسرج فیہ وعلیہ مکتوب ان الناصر محمد بن قلادون علقہ بیدہ ھناك[1] انتھی ملتقطا۔

حاصل یہ کہ روضۂ انور کا سامان روشنی، سونے کی قندیلیں اور چاندی کی' اور ان کے مثل اور قیمتی چیزوں کی کہ روضۂ مطہر کے گرد آویزاں کی جاتی ہیں' مجھے معلوم نہ ہوا کہ ان کی ابتدا کب سے ہے' ہاں امام حافظ الحدیث محمد بن محمد بن النجار متوفی ۶۴۲ھ نے اپنی کتاب الدر الثمینہ فی اخبار المدینہ میں فرمایا کہ سقف مسجد کریم کے اتنے ٹکڑے میں کہ دیوار قبلہ سے حجرۂ مقدسہ تک ہے، جب زائرین مواجہہ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم میں کھڑے ہوں، اُن کے سروں پر چالیس سے زائد قندیلیں آویزاں ہیں۔ بڑی بڑی اور چھوٹی چاندی کی نقشی اور سادی اور ان میں دو بلور کی ہیں، ایک سونے کی' اور ایک چاندی کا چاند ہے سونے میں مغرق، اور یہ شہروں شہروں سے سلاطین و اُمرار حاضر کیا کرتے ہیں انتہی، اور یہ دستور برابر چلا آتا ہے ہمیشہ ان قندیلوں میں ترقی ہوتی رہی، اور روضہ مطہرہ کی تمام آویزاں روشنیوں میں سب سے زیادہ خوبصورت جو میں نے دیکھی وہ فولادی بڑی قندیل ہے کہ نہایت خوبصورت بنی ہوئی ہے اُس کے پیٹ اور کناروں پر سونا چڑھا ہوا ہے کہ اُس میں روشنی کرنے سے دمکنے لگتا ہے اس پر لکھا ہوا ہے کہ ناصر الدین محمد بن قلادون نے اُسے یہاں اپنے ہاتھ سے لٹکایا۔ انتہی ملتقطاً

یہاں تو آپ کو یہ معلوم ہُوا کہ روشنی خاص روضۂ منورہ کے لیے ہے اور یہ کہ کتنی کثیر و شاندار ہے اور یہ کہ صدہا سال سے ہے اور یہ کہ عثمانی سلطنت سے بھی بہت پہلے سے ہے۔ اب مجمع علمائے کرام کا ذکر سُنئے

---

[1] وفاء الوفاء فصل ۲۵ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۸۳ تا ۵۸۹

علامہ قطب الدین مکی حنفی معاصر امام ابن حجر مکی رحمہما اللہ تعالٰی کتاب الاعلام باعلام بیت الحرام ص ۳۰ میں اس واقعہ کا ذکر فرماتے ہیں: جب سلطان مرادخان بن سلطان سلیم خان بن سلیمان خان رحمہم الرحمٰن نے ۹۸۴ھ میں باب عالی سے سونے کی تین قندیلیں بیش بہا جواہرات سے مرصع محمد چادلیش خان کے ہاتھ حاضر کی ہیں کہ وہ کعبہ معظمہ کے اندر آویزاں کی جائیں اور ایک حجرۂ مزار اطہر میں چہرۂ انور کے مقابل صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم۔

جب مکہ معظمہ میں آئے حضرت شریف مکہ سیدی حسن بن ابی نمی حسنی اور ناظر حرم محترم قاضی مدینہ منورہ شیخ الاسلام سید العلماء سیدی حسین حسینی مکی اور قاضی مکہ معظمہ مولانا مصلح الدین لطفی بگ زادہ مع جملہ اعیان واکابر حرم محترم حاضر ہوئے، فرماتے ہیں: وکافۃ العلماء والفقہاء والموالی[1] یعنی مکہ معظمہ کے تمام علماء وفقہاء وسردار گرد کعبہ معظمہ جمع ہوئے۔ پھر آستانہ عالیہ کی طرف سے حضرت شریف و دیگر عظماء کو خلعت پہنائے گئے۔ کعبہ معظمہ کا دروازہ کھولا گیا۔ سیدنا الشریف نے خلعت پہنا اور طواف کعبہ معظمہ کیا۔ اِدھر وہ طواف میں ہیں اُدھر رئیس مؤذنان قبہ زمزم پر سلطنت وشریف کے لیے باآواز بلند دعا کر رہا ہے اور تمام حاضرین دعا وآمین میں مشغول ہیں۔ بعد فراغ طواف ورکعتین طواف حضرت شریف کعبہ معظمہ کے اندر حاضر ہوئے اور اپنے دست مبارک سے قندیلیں آویزاں کیں۔ سب حاضرین جملہ علماء وفقہاء وامراء وعظماء نے فاتحہ پڑھی اور دعائیں کیں، اور جلسہ ختم ہوا۔ علامہ ممدوح فرماتے ہیں:

وکان یوماً شریفاً مشھوداً ووقتاً مبارکاً متیمناً مسعوداً[2]

اور وہ دن بزرگ اور تمام اعیانِ مکہ کی حاضری کا تھا اور وہ وقت مبارک اور فرخندہ باسعادت تھا۔

پھر محمد چادلیش باقی قندیل لے کر سرکارِ اعظم مدینہ طیبہ حاضر ہوئے، علامہ فرماتے ہیں:

واجتمعت لہ اکابر المدینۃ الشریفۃ و اعیانھا وعلماؤھا وصلحاؤھا۔[3]

اُن کے پاس مدینہ طیبہ کے اکابر وعمائد وعلماء وصلحاء سب جمع ہوئے۔

وعمل محفل شریف فی الحرم الشریف النبوی[4]

حرم کریم میں محفلِ عظیم منعقد کی گئی۔

وفتحت الحجرۃ الشریفۃ النبویۃ علی ساکنھا افضل الصلٰوۃ وعلی ذلک

حجرۂ طاہرہ مزار پُرانوار حضرت سید ابرار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کھولا گیا اور وہ سونے کی قندیل جواہر

---

[1] تا [4] الاعلام باعلام بلد اللہ الحرام

القنديل تجاه وجه النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم[1]

بے بہا سے مرصع رُوئے انور سید اطہر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مواجہ اقدس میں آویزاں کی گئی۔

وقرئت الفواتح وحصل الدعاء[2] حاضرین نے فاتحہ پڑھی اور دعا کی۔ اور مجلس بخیر وخوبی ختم ہوئی۔

علامہ ممدوح اس حکایت کا خاتمہ ان لفظوں میں فرماتے ہیں:

وھو اول من علق قنادیل الذھب فی الحرمین الشریفین من سلاطین اٰل عثمان خلد اللہ تعالیٰ سلطنتھم وقد سبق بھذہ المنقبۃ الشریفۃ اٰباءہ السلاطین العظام[3]

یعنی سلاطین آل عثمان میں کہ اللہ عزوجل اُن کی سلطنت کو ہمیشہ رکھے سلطان مراد خاں نے اس کی پہل کی کہ حرمین محترمین میں سونے کی قندیلیں آویزاں کیں، وہ اس عظیم منقبت میں اپنے باپ دادا سلاطین پر سبقت لے گئے۔

اس خاتمہ سے دو فائدے ظاہر ہوئے: ایک[1] یہ کہ سلاطین عثمانیہ سے پہلے سلاطین بھی سونے کی قندیلیں حاضر کرتے۔ سلاطینِ عثمانیہ میں پہلے یہ سعادت سلطان محمد مراد خاں نے پائی۔ دوسرے[2] یہ کہ علامہ ممدوح اس کا استحسان فرماتے، اور اسے منقبت شریفہ بتاتے ہیں۔

اب پھر عباراتِ سابقہ خلاصۃ الوفاء کی طرف رجوع کیجئے اور وہ سُنیئے جو امام ممدوح سیدی نورالدین سمہودی اس عبارت کے اثنا میں اُس جانفزا روشنی کے بیان میں حکم فرماتے ہیں وہ عبارت یہ ہے:

وقد الف السبکی تالیفا سماہ تنزیل السکینۃ علی قنادیل المدینۃ وذھب فیہ الی جوازھا وصحۃ وقفھا وعدم جواز صرف شیئ منھا لعمارۃ المسجد[4]

بیشک امام اجل تقی الملۃ والدین علی بن عبدالکافی متوفی ۷۵۶ھ رحمہ اللہ تعالیٰ نے خاص اس باب میں ایک کتاب تالیف فرمائی جس کا نام "تنزیل السکینۃ علی قنادیل المدینۃ" رکھا۔ اور اس کتاب میں اُن کا وقف صحیح ہونا بیان فرمایا اور یہ کہ اُن کو مسجد کی عمارت میں صرف کرنا جائز نہیں۔

یہ امام اجل وہ ہیں جن کی نسبت امام ابن حجر فرماتے ہیں، الامام المجمع علی جلالتہ واجتہادہ[5] وہ امام کہ ان کی جلالتِ شان وقابلیت اجتہاد پر اجماع ہے۔

---

[1] تا [3] الاعلام باعلام بلد اللہ الحرام فصل ۲۵

[4] وفاء الوفاء دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۹۵-۵۹۱

[5] امام ابن حجر

33

صلاح صفدی نے کہا:

الناس یقولون ماجاء بعد الغزالی مثله و عندی انهم یظلمونه وما هو عندی الا مثل سفین الثوری۔[1]

لوگ کہتے ہیں امام حجۃ الاسلام کے بعد کوئی امام تقی الدین سبکی کے مثل پیدا نہ ہوا اور میرے نزدیک وہ ان کی شان گھٹاتے ہیں۔ میرے نزدیک تو وہ امام سفیان ثوری کے ہمسر ہیں۔

جو اجلّۂ اکابر تابعین سے تھے وہ اس روشنی کو فقط جائز ہی نہیں بتاتے بلکہ فرماتے ہیں کہ اس پر رحمتِ الٰہی کا سکینہ اُترتا ہے، غالباً اب تو زید صاحب اپنے تمام وساوس سے باز آکر اپنی قسم پوری کریں گے۔

(۳۰) حدیث مذکور کو زید نے بالجزم رسولِ خدا کا ارشاد بتایا صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم۔ یہ سخت بیباکی و جرأت ہے۔ وہ حدیث صحیح نہیں۔ اس کی سند کا مدار ابوصالح باذام پر ہے، باذام کو ائمۂ فن نے ضعیف بتایا۔ تقریب امام ابنِ حجر عسقلانی میں ہے:

باذام بالذال المعجمة ویقال اٰخره نون ابوصالح مولٰی ام هانی ضعیف مدلس۔[2]

باذام ذال معجمہ سے، اور کہا جاتا ہے کہ آخر میں نون — یعنی باذان — ابوصالح — اُم ہانی کا آزاد کردہ غلام ضعیف تدلیس کرنے والا ہے۔ (ت)

(۳۱) یہیں سے ظاہر ہوا کہ یہ حدیث قابلِ احتجاج نہیں کہ حدیث ضعیف دربارۂ احکام حجت نہیں ہوتی۔ تحسین ترمذی باعتبار ترجمہ باب ہے کہ اسے باب ماجاء فی کراهیة ان یتخذ علی القبر مسجدا میں وارد کیا اور قبور پر مسجد نہ بنانے میں بیشک احادیث متعددہ وارد۔ خود جامع ترمذی میں ہے: وفی الباب عن ابی هریرة وعائشة رضی الله تعالٰی عنهما[3] (اس باب میں حضرت ابوہریرہ و حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے بھی روایت ہے۔ ت) بخلاف چراغ کہ اس کی ممانعت میں یہی حدیث ضعیف باذام ہے۔ اس کا یہ ٹکڑا حسن نہیں۔ خود امام ترمذی اپنی اصطلاح میں بتاتے ہیں:

ماذکرناه فی هذا الکتاب حدیث حسن فانما اردنا حسن اسناده عندنا کل حدیث یروی لایکون

اس کتاب میں ہم نے جسے حدیث حسن بتایا اس سے یہی مراد ہے کہ وہ ہمارے نزدیک حسن ہے جس حدیث کی

---

[1] صلاح صفدی

[2] تقریب التهذیب حرف الباء الموحدہ ترجمہ ۶۳۴ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/۱۲۱

[3] جامع الترمذی ابواب الصلوٰة باب ماجاء فی کراهیة ان یتخذ علی القبر امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۴۳

في اسناده من يتهم بالكذب ولايكون الحديث شاذا ويروى من غير وجه نحو ذالك فهو عندنا حديث حسن[1]

سند میں کوئی متہم بالکذب نہ ہو، نہ ہی وہ حدیث شاذ ہو، اور ایسے ہی متعدد طرق سے مروی ہو، وہ ہمارے نزدیک حدیث حسن ہے۔(ت)

(۳۲) حدیثِ مانعین سے تین جواب ہیں:

پہلا یہ کہ حدیث سرے سے صحیح ہی نہیں اور سب میں اخیر تنزل کا جواب وُہ کہ امام نابلسی کے ارشاد سے گزرا۔

اور اوسط جواب یہ ہے کہ حدیث میں لفظ علٰی ہے اس سے قبر پر چراغ رکھنے کی ممانعت ہُوئی، اسے ہم بھی تسلیم کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ علٰی کے معنی حقیقی یہ ہیں، اور حقیقت سے بلاضرورت عدول نامقبول، وہ عدول ہی تاویل ٹھہرے گا۔ اور اگر وجہ مُوجّہ نہ رکھتا ہو مردود رہے گا۔

تاویل یہ ہے کہ لفظ کو اس کے معنی ظاہر سے پھیرا جائے۔ مگر طرفہ یہ کہ زید نے معنی حقیقی مراد لینے کا نام تاویل رکھا اور تاویل بھی کیسی ضعیف، اور نہ صرف ضعیف بلکہ معاذ اللہ حدیث کے ساتھ مضحکہ، اس ظلم شدید کی کوئی حد ہے اور نہ دیکھا کہ امام علامہ نابلسی قدس سرہ القدسی اس حدیث کی شرح میں کیا فرماتے ہیں:

المتخذين عليها اى القبور يعنى فوقها[2] قبروں پر یعنی اُن کے اُوپر۔(ت)

دیکھو اس معنی حقیقی کی تصریح فرمائی جسے زید نے معاذ اللہ مضحکہ بنایا۔

(۳۳) کریمہ لنتخذن عليهم مسجدا میں ضمیر جانب اصحاب کہف ہے، اور آدمی کے جسم کے اوپر مسجد بنانے کے کوئی معنی نہیں تو مجاز متعین ہے۔ بخلاف حدیث کہ اس میں ضمیر جانب قبور ہے اور قبر پر چراغ رکھنا ممکن، بلکہ بعض جگہ عوام سے واقع ہے تو اسے آیت پر قیاس کرنا محض سُوئے فہم ہے۔ وہ چمک کر کہتا تھا کہ "کیا اس کے یہ معنی ہیں اصحاب کہف کے سینہ پر سنگِ بنیاد مسجد کا رکھیں گے"۔ وہ خود اپنے شبہہ کے پاؤں میں تیشہ ہے۔ یہ معنی صحیح نہ ہونا ہی تو حقیقت سے صارف اور مجاز کا قرینہ ہُوا، یہاں کہ بے تکلف معنی حقیقی بن رہے ہیں اُن سے پھیرنے والا کون، اور مجاز کے لیے قرینہ کیا۔

(۳۴) دوسری مثال قبر پر چڑھاوا چڑھانے کی دی، اور نہ سمجھا کہ یہاں مجاز لفظ "پر" میں نہیں کہ علٰی بمعنی عند ہو، جس طرح تم حدیث میں لے رہے ہو، قبر کے نزدیک کسی چیز کے چڑھانے کے کیا معنی، بلکہ مجاز خود یہاں چڑھاوے کے لفظ میں ہے۔ صدقہ کہ جُہّال کسی مریض وغیرہ کے لیے چورا ہے میں رکھتے ہیں اسے

---

[1] جامع الترمذی ابواب الصلوٰۃ باب ماجاء فی کراہیۃ ان یتخذ علے القبر الخ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۴۳

[2] الحدیقۃ الندیۃ ایقاد الشموع فی القبور مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۶۳۰

اوتار اکہتے ہیں کہ اسے ذلیلوں خبیثوں شیطانوں کے لیے کرتے ہیں، اور نذور کہ مزاراتِ طیبہ کے حضور لاتے ہیں اسے چڑھاوا کہتے ہیں کہ بلند مرتبہ معظموں کے حضور پیش کرتے ہیں، یہ اتار چڑھاؤ باعتبارِ مرتبہ ہے، نہ باعتبارِ جہت تحت و فوق۔ اور نہ سہی اگر ایک جگہ کوئی لفظ معنیٰ مجازی میں مستعمل ہو تو اُس کے حوالے سے دوسری جگہ بھی خواہی نخواہی اسے حقیقت سے توڑ کر مجاز پر ڈھالنا کون سی منطق ہے!

(۳۵) ملّا علی قاری نے جو اس حدیث میں علیٰ کو معنی حقیقی پر لیا، زید صاحب اس کی توجیہ یہ فرماتے ہیں کہ وجہِ ممانعت یعنی مشابہتِ یہود و نصاریٰ معنیٰ مجازی یعنی قریب قبر میں نہیں رہتی۔ اس بنیاد پر معنی حقیقی لیے یعنی معنیٰ حقیقی ہی لینا محتاجِ وجہ خارجی ہے، اگر خارج سے کوئی وجہ اُس کی نہ ملے تو معنی حقیقی نہ لیں گے۔ اس اُلٹی سمجھ کا کیا ٹھکانا ہے! علامہ ملّا علی قاری کی عبارت دیکھیے:

قیدُ علیہا یُفید اتخاذ المساجد بجنبہا لاباْس بہ۔[1] "علیہا" (قبروں پر) کی قید یہ افادہ کر رہی ہے کہ ان کے پہلو میں مسجد بنائیں تو کوئی حرج نہیں (ت)

ملاحظہ ہو لفظِ "علیٰ" سے یہ ثابت کیا کہ برابر ہو تو حرج نہیں، یا برابر میں حرج نہ ہونے سے علیٰ کو اپنے معنیٰ حقیقی پر لیا۔

(۳۶) علی قاری جب یہاں دربارۂ مسجد علیٰ کو معنیٰ حقیقی پر لے چکے، جو آپ کو بھی مسلّم ہے۔ اور یہاں ایک ہی لفظ علیٰ ہے جس سے مساجد و سرج کا یکساں علاقہ ہے کہ والمتخذین علیہا المساجد والسرج[2] (قبروں پر مسجدیں اور چراغ بنانے والے۔ت)

اب اگر دربارۂ قبور علیٰ کو معنیٰ مجازی پر لیجئے تو کھُلا ہُوا جمع بین الحقیقۃ والمجاز ہے اور وہ باطل ہے۔ لاجرم دربارۂ قبور بھی علیٰ کو معنیٰ حقیقی ہی پر رکھیں گے، تو جس نے ان کی طرف اسے نسبت کیا ان کے لازم کلام سے استدلال کیا، یہ اُن پر اتہام کدھر سے ہو جائے گا۔

(۳۷) علی قاری نے دربارۂ سُرجِ قبور جو تین وجہِ ممانعت نقل کرکے لکھا: کذا قال بعض علمائنا[3] (ایسا ہی ہمارے بعض علماء نے فرمایا۔ت) قطع نظر اس کے کہ یہ نقل عن المجہول ہے اور ہمارے فقہاء نے اسی وجہ اوّل پر اقتصار فرمایا کہ اسراف و اتلافِ مال ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہُوا اور یہی وجہ خود آپ کی مستند بزازیہ

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴۴۴/۲
[2] جامع الترمذی باب ما جاء فی کراہیۃ ان یتخذ علی القبر مسجداً امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۴۳/۱
[3] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴۴۴/۲

مصرح تھی جسے آپ نے حذف کردیا۔ اور او پر روشن ہولیا کہ یہ وجہ صرف قبورِ عوام میں پائی جاتی ہے جبکہ وہاں نہ مسجد ہو نہ قبر، سرِراہ، نہ کوئی تلاوت وغیرہ میں مشغول۔ باقی دو وجہوں میں تعظیمِ قبور بھی عوام میں متحقق ہوگی خصوصاً قبورِ فساق میں جن کی نسبت آپ فرق پوچھ رہے ہیں کہ " بزرگوں کی قبر پر کیوں کرتے ہیں، فاسق فاجر کی قبر پر کیوں نہیں کرتے۔" فاسق فاجر کی قبر پر کریں تو نفسِ قبر کی تعظیم ٹھہرے کہ مقبور معظم نہیں، بخلاف مزاراتِ کرام کہ وہاں قبر یعنی خشت وگل کی تعظیم نہیں بلکہ اُن کی رُوحِ کریم کی تعظیم ہے، جیساکہ امام نابلسی نے فرمایا: تعظیما لروحه المشرفة الخ[1] (ان کے روحِ مبارک کی تعظیم کے لیے الخ۔ ت) تعظیمِ قبورِ معظمین کہ حقیقۃً تعظیمِ معظمین ہے۔ کس نے منع کی؛ اختیار شرح مختار اور اُسی آپ کی مستند عالمگیری میں ہے:

ثم ینھض فیتوجه الی قبرہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ولا یضع یدہ علٰی جدار التربة فھو اھیب واعظم للحرمة ویقف کما یقف فی الصلٰوۃ اھ[2] قدر الحاجة۔

یعنی پھر کھڑا ہو کر قبرِ اکرم حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف متوجہ ہو، اور تربتِ کریمہ کی دیوار پر ہاتھ نہ رکھے کہ اس میں زیادہ ہیبت وتعظیم حرمت کریمہ ہے، اور یُوں ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جیسا نماز میں کھڑا ہوتا ہے اھ بقدرِ ضرورت (ت)

منسک متوسط اور اس کی شرح مسلک متقسط علی قاری میں ہے:

ولیغتنم ایام مقامه بالمدینة المشرفة فیحرص علی ملازمة المسجد و ادامة النظر الی الحجرة الشریفة ان تیسرا و القبة المنیفة ان تعسر مع المھابة و الخضوع و الخشیة و الخشوع ظاھرا و باطنا فانه عبادۃ کالنظر الی الکعبة الشریفة[3]۔

یعنی مدینہ طیبہ میں حاضری کے دنوں کو غنیمت جانے۔ اکثر اوقات مسجدِ کریم میں حاضر رہے اور ہو سکے تو مزارِ اطہر کے حجرۂ مقدسہ ورنہ اس کے گنبد مبارک ہی کو دیکھتا رہے۔ خوف وادب اور خشوع وخضوع کے ساتھ کہ اس پر نگاہ ہی عبادت ہے جیسے کعبۂ معظمہ پر نظر۔ (ت)

علامہ عبدالقادر فاکہی مکی تلمیذ امام ابن حجر مکی رحمہما اللہ تعالٰی حسن التوسل فی زیارۃ افضل الرسل صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم میں فرماتے ہیں: ومنھا ان لا یستدبر القبر الشریف[4] یعنی آداب میں سے ہے

---

[1] الحدیقة الندیة — القاد الشموع فی القبور — نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۶۳۰

[2] فتاوٰی ہندیہ — خاتمہ فی زیارت قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم — نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۶۵

[3] المسلک المتقسط شرح منسک متوسط مع ارشاد الساری فصل ولیغتنم ایام مقامه دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۴۱

[4] حسن التوسل فی زیارۃ افضل الرسل

کہ قبرِ اقدس کو پشت نہ کرے۔ سید اقدس قدس سرہٗ نے خلاصۃ الوفاء میں فرمایا: فی الصلوٰۃ ولا فی غیرھا[1]
نہ نماز میں اُدھر پیٹھ کرے نہ غیر نماز میں۔ پھر امام عزالدین بن عبدالسلام سے نقل فرمایا:

اذا اردت صلوٰۃ فلا تجعل حجرتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وراء ظھرك ولا بین یدیك والادب معه صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعد وفاته مثله فی حیاته فما کنت صانعه فی حیاته فاصنعه بعد وفاته من احترامه والاطراق بین یدیه صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم[2]

جب تُو نماز پڑھنا چاہے تو حجرۂ مطہرہ مزارِ اطہر کو پیٹھ نہ کر، نہ نماز میں اپنے سامنے رکھ۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ادب بعد وفات بھی ویسا ہی ہے جیسا عالمِ حیاتِ ظاہر میں تھا، تو جیسا تُو اس وقت ادب کرتا اور حضور کے سامنے سر جُھکاتا ایسا ہی مزارِ اطہر کے حضور کر۔

یہ سب تعظیم نہیں تو اور کیا ہے۔ اس قسم کے ارشاداتِ ائمہ اگر جمع کیے جائیں تو ایک دفتر ہو، اور خود اس سے زیادہ اور کیا تعظیمِ قبرِ اطہر ہوگی، جو حدیث میں ہے کہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے خواب میں جمالِ جہاں آرا کی زیارت سے مشرف ہونے کے لیے تعلیم فرمائی۔ درمنظم امام ابوالقاسم محمد لولوی لبستی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں:

من صلی علیٰ روح محمد فی الارواح وعلیٰ جسدہ فی الاجساد وعلیٰ قبرہ فی القبور رانی فی منامه ومن رانی فی منامه رانی یوم القیٰمة ومن رانی یوم القیامة شفعت له ومن شفعت له شرب من حوضی وحرم اللہ جسدہ علی النار[3]

جو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کی روحِ اقدس پر ارواح میں اور جسمِ اطہر پر اجسام میں، اور قبرِ انور پر قبور میں درود بھیجے وہ مجھے خواب میں دیکھے، اور جو خواب میں دیکھے مجھے قیامت میں دیکھے گا، اور جو مجھے قیامت میں دیکھے گا میں اس کی شفاعت فرماؤں گا، اور جس کی میں شفاعت فرماؤں گا وہ میرے حوضِ کریم سے پیے گا اور اللہ عزوجل اس کے بدن پر دوزخ کو حرام فرمائے گا۔

اللھم ارزقنا بجاھه عندك اٰمین (اے اللہ! ہمیں نصیب فرما ان کی اس وجاہت کے طفیل جو تیرے حضور ان کے لیے ہے، الٰہی قبول فرما۔ ت)

---

[1][2] وفاء الوفاء الفصل الرابع من الباب الثامن احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۴۱۰

[3] درمنظم امام ابوالقاسم محمد لولوی لبستی

علماء فرماتے ہیں یعنی یُوں درود شریف پڑھو :

اللّٰھم صل علیٰ روح سیدنا محمد فی الارواح اللّٰھم صل علیٰ جسد سیدنا محمد فی الاجساد اللّٰھم صلّ علیٰ قبر سیدنا محمد فی القبور۔

قبرِ کریم پر درود بھیجنے کا حکم ہُوا، اور درود وُہ تعظیم ہے کہ بالاستقلال انبیاء و ملائکہ علیہم الصلٰوۃ والسلام کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں۔

(۳۸) رہی تیسری وجہ کہ وہ آثارِ جہنم سے ہے۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔

اقول اس کی غایت ایک تفاول ہے۔ وہ اس قابل نہیں جس کے لحاظ نہ کرنے پر مسلمان لعنت کا مستحق ہو، تو یہ اُس کی توجیہ نہیں ہوسکتی، شرع کو ایسی فالوں کا اتنا عظیم لحاظ ہوتا تو میّت کو گرم پانی سے نہلانے کا حکم نہ ہوتا کہ وُہ بھی آثارِ جہنم سے ہے، قال اللہ تعالٰی :

یصب علیہ من فوق رءوسھم الحمیم[1]۔

اس (جہنمی) پر انکے سروں کے اوپر سے گرم پانی بہایا جائے گا۔ (ت)

حالانکہ وُہ شرعاً مطلوب ہے، دُرمختار میں ہے :

یصب علیہ ماء مغلی بسدر ان تیسر والا فماء خالص[2]۔

اس (میّت) پر بیری میں جوش دیا ہُوا پانی بہایا جائے اگر میسر ہو، ورنہ سادہ پانی۔ (ت)

ردالمحتار و نہرالفائق میں ہے :

افاد ان الحار افضل سواء کان علیہ وسخ اولا[3]۔

اس سے مستفاد ہوا کہ گرم پانی بہتر ہے میّت کے جسم پر میل ہو یا نہ ہو۔ (ت)

اور بالفرض تسلیم اُس کا محل وُہی ہے کہ خاص قبروں پر چراغ رکھیں کہ فال ہے تو اس میں ہے نہ کہ اس کے گرد یا مناروں یا احاطہ کی دیواروں پر علماء نے تفاول کے سبب جب پکّی اینٹ قبر میں لگانی مکروہ بتائی کہ وہ آگ دیکھے ہُوئے ہے والعیاذ باللہ تعالٰی۔ تصریح فرمائی کہ یہ اُس صورت میں ہے کہ خاص لحد پر پختہ اینٹیں لگائیں جو قریب میّت ہے ورنہ بالائے قبر اُس میں حرج نہیں، یہ خود آگ ہے۔ اُس میں بالائے قبر بھی حرج ہے مگر حول میں حرج

---

[1] القرآن ۲۲/ ۱۹

[2] درمختار باب صلٰوۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۰

[3] ردالمحتار " " " ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/ ۵۷۵

مسلم نہیں۔ درمختار میں ہے :

یسوی اللبن علیہ والقصب لا الاجر المطبوخ والخشب لوحولہ اما فوقہ فلایکرہ[1]

اس پر کچی اینٹ اور بانس چن دیں، پکی اینٹ اور لکڑی اُس کے گرد نہ رکھیں، ہاں اوپر ہو تو حرج نہیں۔ (ت)

ابن ملک بدائع میں ہے :

لانہ مما مستہ النار فیکرہ ان یجعل علی المیت تفاولا[2]

اس لیے کہ اس پر آگ کا اثر پہنچا ہوا ہے تو تفاول کے سبب میت پر چننا مکروہ ہے (ت)

حلیہ میں ہے :

قال الامام التمرتاشی ھذا اذاکان حول المیت فلوفوقہ لایکرہ[3]

امام تمرتاشی نے فرمایا، یہ اُس وقت ہے جب خاص میت کے گرد ہو، اوپر ہو تو مکروہ نہیں۔ (ت)

(۳۹) کس نادانی کا اعتراض ہے کہ علی معنی حقیقی پر لیں تو کوئی شخص قبر کے نیچے یا قبر کے بیچ میں چراغ جلائے تو وُہ جائز ہوجائے۔ دربارۂ مسجد تو آپ کو بھی مسلّم کہ علی معنی حقیقی پر ہے تو کوئی شخص قبر کے نیچے یا قبر کے بیچ میں مسجد بنائے یا نماز پڑھے تو وہ جائز ہوجائے، کیونکہ حدیث میں قبر پر کی ممانعت ہے۔ اب بھی کہئے کہ استغفراللہ۔ یہ تو حدیث کے ساتھ مضحکہ کرنا ہے۔

(۴۰) کثرتِ چراغاں کا ذکر روشنی روضۂ انور میں گزرا اور اس کے متعلق احیاء العلوم شریف کی ایک عبارت اور لکھیں کہ موافقین کے دل روشن ہوں اور مخالفین کی آنکھیں چکا چوند سے جلیں۔ امام حجۃ الاسلام محمد محمد محمد غزالی قدس سرہ العالی قبیل کتاب آداب النکاح میں فرماتے ہیں :

حکی ابوعلی الرودباری رحمہ اللہ تعالٰی عن رجل انہ اتخذ ضیافۃ فاوقد فیہا الف سراج وقال لہ رجل قد اسرفت۔ فقال لہ ادخل فکلما اوقدتہ لغیر اللہ

یعنی امام اجل عارفِ اکمل، سند الاولیاء حضرت سیدنا امام ابوعلی رودباری رضی اللہ تعالٰی عنہ (کہ اجلّہ اصحاب سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہیں ۳۲۲ ہجری میں وصال شریف ہے،

---

[1] درمختار | باب صلوٰۃ الجنائز | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۲۵

[2] بدائع الصنائع | فصل فی سنۃ الحفر | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۱/۳۱۸

[3] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

فاطفئه فدخل الرجل فلم یقدر علی اطفاء واحد منها فانقطع[1]

امام عارف باللہ استاذ ابوالقاسم قشیری قدس سرہ نے رسالہ مبارکہ میں اُن کی نسبت فرمایا اظرف المشائخ واعلمهم بالطریقۃ (مشائخ میں سب سے زیادہ عقلمند اور طریقت کے سب سے بڑے عالم) حکایت فرماتے ہیں کہ ایک بندہ صالح نے احباب کی دعوت کی اس میں ہزار ہا چراغ روشن کیے، کسی نے کہا آپ نے اسراف کیا، صاحب خانہ نے فرمایا: اندر آئیے جو چراغ میں نے غیر خدا کے لیے روشن کیا ہو وہ گُل کر دیجئے۔ معترض اندر گئے، ہر چند کوشش کی ایک چراغ بھی نہ بجھا سکے، آخر قائل ہو گئے وللہ الحمد۔

بالجملہ حاصل حکم یہ ہے کہ قبورِ عامہ ناس پر روشنی جب کہ خارج سے کوئی مصلحت مصالح مذکورہ کے امثال سے نہ ہو ضرور اسراف ہے اور اسراف بیشک ممنوع۔ فقہاء اسی کو منع فرماتے ہیں کہ یہی علتِ منع بتاتے ہیں، اور اگر زینتِ قبر مطلوب ہو تو قبر محلِ زینت نہیں، اب بھی اسراف ہُوا، بلکہ کچھ زائد، یوں ہی اگر تعظیمِ قبر مقصود ہو کہ یہاں تعظیم نسبت نہیں، رہے مزاراتِ محبوبانِ الٰہ، ان میں اگر زینتِ قبر یا تعظیمِ نفسِ قبر کی نیت ہو یہاں بھی وہی ممانعت رہے گی کہ یہ نیتیں شرعاً محمود نہیں، اور اگر اُن کی رُوحِ کریم کی تعظیم و تکریم مقصود ہو اب نہ اسراف ہے کہ نیتِ صالحہ موجود ہے، نہ تعظیمِ قبر، بلکہ تعظیمِ رُوحِ محبوب، اور وہ شرعاً بلاشبہہ مطلوب۔ امام اجل تقی الدین سبکی و امام نورالدین سمہودی و امام عبدالغنی نابلسی رحمہم اللہ تعالٰی اسی کو جائز بتاتے ہیں اور کسی کے قلب پر حکم لگانا کہ اُسے تعظیمِ قبر ہی مقصود ہے نہ کہ تعظیمِ رُوحِ ولی۔ محض خراف و بدگمانی و حرام بنصِ قرآنی ہے۔ قال اللہ تبارک و تعالٰی:

ولا تقف مالیس لك به علم ان السمع و البصر کل اولئك کان عنه مسئولا[2]

اور اس کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں۔ بیشک کان، آنکھ ہر ایک سے باز پرس ہوگی۔ (ت)

وقال اللہ تبارک و تعالٰی:

یا ایها الذین اٰمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم[3]

اے ایمان والو! زیادہ گمان سے بچو، بلاشبہہ بعض گمان گناہ ہیں (ت)

وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] احیاء العلوم والدین الباب الرابع من آداب الضیافۃ مکتبہ و مطبعۃ المشہد الحسینی قاہرہ ۲/ ۲۰

[2] القرآن ۱۷/ ۳۶

[3] القرآن ۴۹/ ۱۲

افلا شققت عن قلبہ[1] — تو تُو نے اس کا دل کیوں نہ چاک کیا ؟ (ت)

وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث[2] — اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا : گمان سے بچو کہ گمان سب سے جھوٹی بات ہے (ت)

اور تعظیمِ رُوح اور تعظیمِ قبر میں فرق نہ کرنا سخت جہالت ہے۔ عارف نابلسی کا ارشاد گزرا۔ اور امام سمہودی فرماتے ہیں :

لیس القصد تعظیم بقعۃ القبر بعینھا بل من حل فیھا[3] — خاص زمینِ قبر کی تعظیم مقصود نہیں بلکہ اس کی تعظیم مقصود ہے جو اس میں فروکش ہے۔ (ت)

بلکہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ مسند شریف میں بسندِ حسن روایت فرماتے ہیں :

اقبل مروان یوما فوجد رجلا واضعا وجھہ علی القبر فاخذ مروان برقبتہ ثم قال ھل تدری ما تصنع فاقبل علیہ فقال نعم انی لم اٰت الحجر انما جئت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولم اٰت الحجر سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یَقُوْلُ لَا تَبْکُوْا عَلَی الدِّیْنِ اِذَا وَلِیَہٗ اَھْلُہٗ وَلٰکِنِ ابْکُوْا عَلَی الدِّیْنِ اِذَا وَلِیَہٗ غَیْرُ اَھْلِہٖ[4] — یعنی مروان نے اپنے زمانہ تسلط میں ایک صاحب کو دیکھا کہ قبرِ اکرم سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اپنا منہ رکھے ہوئے ہیں، مروان نے ان کی گردن مبارک پکڑ کر کہا : جانتے ہو کیا کر رہے ہو ؟ اس پر ان صاحب نے اُس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا : ہاں، میں سنگ و گل کے پاس نہیں آیا ہوں میں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حضور حاضر ہوا ہوں، میں اینٹ پتھر کے پاس نہ آیا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سنا دین پر نہ رو جب اس کا اہل اس پر والی ہو، ہاں اس وقت دین پر رو جبکہ نا اہل والی ہو۔

یہ صحابی سیدنا ابو ایوب انصاری تھے رضی اللہ تعالٰی عنہ ___ تو تعظیمِ قبر و رُوح مطہر میں فرق نہ کرنا مروان کی جہالت ہے اور اسی کے ترکہ سے وہابیہ کو پہنچی، اور تعظیمِ قبر سے جدا ہو کر تعظیمِ رُوحِ کریم کی برکت لینا

---

[1] مسند احمد بن حنبل — حدیث اُسامہ بن زید — دار الفکر بیروت ۵/۲۰۷

[2] صحیح البخاری — باب قول اللہ تعالٰی من وصیۃ الخ — قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۸۴

[3] وفاء الوفا — الفصل الثانی من الباب الثامن — دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/۱۳۶۶

[4] مسند احمد بن حنبل — حدیث ابی ایوب الانصاری — دار الفکر بیروت ۵/۴۲۲

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سنّت ہے اور اہلسنّت کو اُن کی میراث ملی، وللہ الحمد۔

تنبیہ: سب سے زائد اہم بات یہ ہے کہ زید صاحب سمجھیں تو بہت کچھ حق مانیں، ہدایت کے شکرگزار ہوں یہ کہ تحریر زید کا خاتمہ اس کلمہ سخت شنیع و شتم فظیع پر ہوا کہ " اس قدر وعید کے بعد بھی کوئی شخص اس میں کٹ حجتی کرے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات قبر میں تصفیہ کے قابل ہے موسٰی بدین خود، عیسٰی بدین خود۔" زید نے دو فریق بنائے، ایک کو حق پر بتایا اور دوسرے کو کٹ حجتی کرنے والا، وعید الٰہی کے مقابل ہٹ دھرمی سے پیش آنے والا۔ اور اُس پر مثال وہ ڈھادی کہ موسٰی بدین خود اور عیسٰی بدین خود۔ اس تمثیل کی تطبیق کی جائے تو معاذاللہ جو حاصل نکلے اس کے قہر و خباثت کا کیا اندازہ ہوسکتا ہے، ایسی جگہ انبیائے کرام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر سخت جرأت و گستاخی و بدزبانی و دریدہ دہنی ہے، توبہ فرض ہے اور اللہ تعالیٰ ہادی،

وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا و مولٰنا محمّد و اٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ وبارك وسلم، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اللہ تعالیٰ ہمارے آقا و مولٰی حضرت محمد، ان کی آل، ان کے اصحاب، ان کے فرزند اور ان کی جماعت پر درود و سلام اور برکت نازل فرمائے۔ اور خدائے پاک برتر خوب جاننے والا ہے (ت)

مسئلہ ۱۵۰: از بنارس تھانہ بھلوپورہ محلہ احاطہ روہیلہ مرسلہ حافظ عبدالرحمٰن رفوگر ۲۸ محرم ۱۳۳۲ھ

حضرت کی خدمت میں عرض یہ ہے کہ بزرگوں کے مزار پر جائیں تو فاتحہ کس طرح سے پڑھا کریں اور فاتحہ میں کون کون سی چیزیں پڑھا کریں؟

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم ط حافظ صاحب کرم فرما سلمکم، مزارات شریفہ پر حاضر ہونے میں پائنتی کی طرف سے جائے اور کم از کم چار ہاتھ کے فاصلہ پر مواجہہ میں کھڑا ہو اور متوسط آواز باادب سلام عرض کرے السلام علیك یاسیدی ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ پھر درودِ غوثیہ تین بار، الحمد شریف ایک، آیۃ الکرسی ایک بار، سورۂ اخلاص سات بار، پھر درودِ غوثیہ سات بار، اور وقت فرصت دے تو سورۂ یٰس اور سورۂ ملک بھی پڑھ کر اللہ عزوجل سے دُعا کرے کہ الٰہی! اس قرأت پر مجھے اتنا ثواب دے جو تیرے کرم کے قابل ہے، نہ اُتنا جو میرے عمل کے قابل ہے، اور اُسے میری طرف سے اس بندۂ مقبول کو نذر پہنچا۔ پھر اپنا جو مطلب جائز شرعی ہو اُس کے لیے دُعا کرے اور صاحبِ مزار کی روح کو اللہ عزوجل کی بارگاہ میں اپنا وسیلہ قرار دے، پھر اُسی طرح سلام کرکے واپس آئے۔ مزار کو نہ ہاتھ لگائے نہ بوسہ دے

اور طواف بالاتفاق ناجائز ہے اور سجدہ حرام ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۱ و ۱۵۲ از شہر علی گڑھ، محلہ مدار دروازہ مرسلہ عمر احمد سوداگر پارچہ بنارسی ۴ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں :

(۱) قبر پر جانے سے مُردہ کو معلوم ہوتا ہے کہ میرا کوئی عزیز آیا یا کوئی شخص آیا، یا نہیں معلوم ہوتا اور زندہ کو مُردہ کی قبر پر جانے سے مُردہ کو کسی قسم کی تکلیف یا راحت ہوتی ہے یا نہیں، اور وُہ کچھ پڑھ کر ثواب بخشے تو مُردہ کو علم ہوتا ہے یا نہیں ؟

(۲) زید قبر پر کسی عزیز کی روز جاتا تھا پھر جانا بند کردیا، یہ دریافت طلب ہے کہ اُس مُردہ کو زید کے آنے اور جانے سے کسی قسم کی تکلیف یا راحت ہوتی تھی یا نہیں ؟

الجواب

(۱) قبر پر جو کوئی جائے مُردہ دیکھتا ہے اور جو کچھ کلام کرے وہ سُنتا ہے اور جو ثواب پہنچائے مُردہ کو پہنچتا ہے، اگر کوئی عزیز یا دوست جائے تو اس کے جانے سے مُردہ کو راحت اور فرحت ملتی ہے جیسے دنیا میں۔ یہ سب مضامین صحاح احادیث میں وارد ہیں، وقد فصلناها فی حیاۃ الموات فی بیان سماع الاموات (ہم نے حیاۃ الموات فی بیان سماع الاموات میں ان کو تفصیل سے ذکر کیا ہے ۔ ت)

(۲) اس کا جواب سوال سابق کے جواب میں آگیا، بیشک اعزہ واحباب کے جانے سے اموات کو فرحت ہوتی ہے اور دیر لگانے سے اُن کا انتظار رہتا ہے ۔ وفیہ حکایۃ نفیسۃ فی شرح الصدور (اس سلسلے میں شرح الصدور (للسیوطی) کے اندر ایک نفیس حکایت ہے ۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۳ از شہر ممباسہ ضلع شرقی افریقہ دکان حاجی قاسم اینڈ سنز مسئولہ حاجی عبداللہ حاجی یعقوب ۲۶ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قبرستان میں ماں باپ کی زیارت کرنا بعد نمازِ فجر افضل یا بعد نمازِ عصر یا مغرب ؟ اور بعد مغرب زیارت کرنا کیا حکم رکھتا ہے ؟ بیّنوا توجروا ۔

الجواب

زیارت ہر وقت جائز ہے، مگر شب میں تنہا قبرستان نہ جانا چاہیے ۔ اور زیارت کا افضل وقت روزِ جمعہ بعد نمازِ صبح ہے ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۴ و ۱۵۵ از بہیڑی ضلع بریلی ۔ جناب ریاض الدین صاحب خلف حکیم مقیم الدین صاحب مصنف اسلام کھنڈ ۔ ا محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ :

(۱) زید قبرستان میں جاکر اس طرح پر فاتحہ پڑھتا ہے کہ اول قبرستان کے دروازے پر کھڑے ہوکر تمام اہلِ قبر کی ارواح کو ثواب بخشتا ہے پھر اپنے کسی عزیز خاص یا کسی اہل اللہ کی قبر پر کھڑے ہوکر فاتحہ پڑھ کر ایک ایک کو جُدا جُدا ثواب بخشتا ہے تو کیا جدا جدا قبر پر کھڑے ہوکر پڑھنے سے اُس کے عزیز جیسے والدین وبھائی بہن وغیرہ کو کچھ ثواب یا فرحت بہ نسبت دیگر اہلِ قبور کے زیادہ ہوگا یا نہیں؟ اور اس جدا جدا قبر پر جانے سے والدین کا حق اور ولی کا مرتبہ ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟

(۲) دوسرے یہ کہ قرآن مجید پڑھ کر بخشنے والے کو بھی کچھ ثواب ملے گا یا نہیں؟ کیونکہ زید کہتا ہے کہ جب پڑھ کر بخش چکے تو پھر ہمارے پاس کیا رہ گیا، آیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ھل جزاء الاحسان الا الاحسان[1] تو کیا احسان کا بدلہ احسان بھی جاتا رہا۔ توجروا۔

الجواب

(۱) بلاشبہہ اس صورت میں جس جس کے لیے جُدا فاتحہ پڑھے گا اُسے ثواب زائد پہنچے گا اور فرحت زیادہ ہوگی، اور والدین واعزہ کی قبر پر جُدا جُدا جانے سے انس حاصل ہوگا جیسے حیات میں۔ اور ولی کے مزار پر جدا حاضر ہونے میں اس کی خاص تعظیم ہے جو ایک عام بات میں شامل کرنے سے نہیں ہوسکتی۔ زید کا یہ فعل بہت حسن ہے مگر اس کا لحاظ لازم ہے کہ جس قبر کے پاس بالخصوص جانا چاہتا ہے اُس تک قدیم راستہ ہو، اگر قبروں پر سے ہوکر جانا پڑے تو اجازت نہیں۔ سرِ راہ دُور کھڑے ہوکر ایک قبر کی طرف متوجہ ہوکر ایصالِ ثواب کردے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) زید غلط کہتا ہے وُہ دنیا کی حالت پر قیاس کرتا ہے کہ ایک چیز دُوسرے کو دے دیں تو اپنے پاس ہی نہ رہے۔ وہاں کی باتیں یہاں کے قیاس پر نہیں، صحیح حدیث میں فرمایا کہ جو اپنے ماں باپ کی طرف سے حج کرے اُن کی رُوحیں شاد ہوں، اور یہ اُن کے ساتھ نیکو کار لکھا جائے اور دونوں کو پُورے حج کا ثواب ملے اور اُس کے ثواب سے کچھ کم نہ ہو۔ اس کی نظیر دنیا میں علم ہے کہ جتنا تقسیم کیجئے اوروں کو ملتا ہے اور اپنے پاس سے کچھ نہیں گھٹتا بلکہ بڑھ جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۵۶ ، ۱۵۷ از منجان مرسلہ علی محمد عیسٰے برادرز ۸ رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ

(۱) قبرستان میں کلام شریف یا پنج سورہ قبر کے نزدیک بیٹھ کر تلاوت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) قبر پر سبزی یا پھُول یا اگربتی رکھنا، جلانا جائز ہے یا نہیں؟

---

[1] القرآن ۵۵/۶۰

الجواب

(۱) قبر کے پاس تلاوت یاد پر خواہ دیکھ کر ہر طرح جائز ہے جبکہ لوجہ اللہ ہو اور قبر پر نہ بیٹھے، نہ کسی قبر پر پاؤں رکھ کر وہاں پہنچا ہو۔ اور اگر بے اس کے وہاں تک نہ جاسکے تو قبر کے نزدیک تلاوت کے لیے جانا حرام ہے، بلکہ کنارے ہی سے جہاں تک بے کسی قبر کو روندے جاسکتا ہے، تلاوت کرے۔ درمختار میں ہے:

یکرہ المشی فی طریق ظن انہ محدث حتی اذا لم یصل الی قبرہ الا بوطئ قبر ترکہ لا یکرہ الدفن لیلا ولا اجلاس القارئین عند القبر وھو المختار[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

قبرستان کے اندر ایسے راستے پر چلنا ممنوع ہے جس کے بارے میں گمان ہو کہ وہ نیا بنا لیا گیا ہے یہاں تک کہ جب اپنی میت کی قبر تک کسی دوسری قبر کو پامال کیے بغیر نہ پہنچ سکتا ہو تو وہاں تک جانا ترک کرے۔ رات کو دفن کرنا اور قبر کے پاس تلاوت کرنے والوں کو بٹھانا مکروہ نہیں، یہی مختار ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۲) قبر پر سبزی پھول ڈالنا اچھا ہے۔ عالمگیری میں ہے:

وضع الورد والریاحین علی القبور حسن[2]۔

قبروں پر گلاب وغیرہ کے پھول رکھنا اچھا ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

یؤخذ من ذلک ای من انہ مادام رطبا یسبح اللہ تعالٰی فیونس المیت وتنزل بذکرہ الرحمۃ) ومن الحدیث ندبا وضع ذلک للاتباع ویقاس علیہ ما اعتید فی زماننا من وضع اغصان الآس ونحوہ[3]۔

پھول جب تک تر رہتا ہے اللہ تعالٰی کی تسبیح کرکے میت کا دل بہلاتا ہے، اور خدا کے ذکر سے رحمت نازل ہوتی ہے۔ اس بات سے اور حدیث پاک کے اتباع کے لحاظ سے اس کا مندوب ہونا اخذ ہوتا ہے۔ اسی پر آس کا قیاس بھی ہوگا جو ہمارے زمانے میں آس وغیرہ کی شاخیں رکھنے کا دستور ہے۔ (ت)

اگربتی قبر کے اوپر رکھ کر نہ جلائی جائے کہ اس میں سوء ادب اور بدفالی ہے۔ عالمگیری میں ہے: ان سقف القبر حق المیت[4] (قبر کی چھت حقِ میت ہے۔ ت) ہاں قریب قبر زمین خالی پر رکھ کر سلگائیں کہ خوشبو محبوب ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] درمختار باب صلٰوۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۶
[2] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس عشر فی زیارۃ القبور الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۳۱
[3] ردالمحتار مطلب وضع الجرید ونحو الآس علی القبور ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/۶۰۷
[4] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس عشر فی زیارۃ القبور الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۵۱

مسئلہ ۱۵۸: از مراد آباد محلہ اصالت پورہ مسئولہ کار دعلی صاحب ۱۵ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پڑھنا قرآن شریف کا قبر پر بیٹھ کر جائز ہے یا نہیں؟ ونیز قرآن شریف سامنے رکھ کر پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب

قبر کے سامنے بیٹھ کر تلاوت کی جائے، حفظ خواہ قرآن مجید دیکھ کر، اُس کی رحمت اُترتی ہے اور مُردہ کا دل بہلتا ہے مگر قبر پر بیٹھنا جائز نہیں کہ میّت کی توہین وایذا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۹ تا ۱۶۱: از موضع بکہ جیبی والا علاقہ جاگل تھانہ بری پور ڈاکخانہ کوٹ نجیب اللہ خاں مرسلہ مولوی شیر محمد خان ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) بوسہ قبر کا کیا حکم ہے؟ (۲) قبر کا طواف کرنا کیسا ہے؟

(۳) قبر کس قدر بلند کرنی جائز ہے؟

الجواب

(۱) بعض علماء اجازت دیتے ہیں اور بعض روایات بھی نقل کرتے ہیں۔ کشف الغطاء میں ہے:

درکفایۃ الشعبی اثرے در تجویز بوسہ دادن قبر والدین رانقل کردہ وگفتہ دریں صورت لاباس است وشیخ اجل ہم در شرح مشکوٰۃ بوردآں در بعضے اشارت کردہ بے تعرض بجرح آں[1]

کفایۃ الشعبی میں قبر والدین کو بوسہ دینے کے بارے میں ایک اثر نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس صورت میں کوئی حرج نہیں۔ اور شیخ بزرگ نے بھی شرح مشکوٰۃ میں بعض آثار میں اس کے وارد ہونے کا اشارہ کیا اور اس پر کوئی جرح نہ کی۔ (ت)

مگر جمہور علماء مکروہ جانتے ہیں، تو اس سے احتراز ہی چاہیے۔ اشعۃ اللمعات میں ہے:

مسح نکند قبر را بدست وبوسہ نہ دہد آں را[2]

قبر کو ہاتھ نہ لگائے، نہ ہی بوسہ دے۔ (ت)

کشف الغطاء میں ہے: کذا فی عامۃ الکتب[3] (ایسا ہی عامہ کُتب میں ہے۔ ت)

---

[1] کشف الغطاء فصل دہم زیارت قبور مطبع احمدی دہلی ص ۷۹

[2] اشعۃ اللمعات باب زیارۃ القبور مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۷۱۶

[3] کشف الغطاء فصل دہم زیارت قبور مطبع احمدی دہلی ص ۷۹

مدارج النبوۃ میں ہے :

دربوسہ دادن قبر والدین روایت بیہقی می کنند و صحیح آنست کہ لایجوز است[1] واللہ تعالٰی اعلم

قبرِ والدین کو بوسہ دینے کے بارے میں ایک روایت بیہقی ذکر کرتے ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ ناجائز ہے (ت) واللہ تعالٰی اعلم

(۲) بعض علماء نے اجازت دی۔ مجمع البرکات میں ہے :

ویمکنہ ان یطوف حولہ ثلث مرات فعل ذلک[2]۔

گرد قبر تین بار طواف کرسکتا ہے۔ (ت)

مگر راجح یہ کہ ممنوع ہے۔ مولانا علی قاری منسک متوسط میں تحریر فرماتے ہیں :

الطواف من مختصات الکعبۃ المنیفۃ فیحرم حول قبور الانبیاء والاولیاء[3]۔

طواف کعبہ کی خصوصیات سے ہے تو انبیاء و اولیاء کی قبروں کے گرد حرام ہوگا۔ (ت)

مگر اسے مطلقاً شرک ٹھہرا دینا جیسا کہ طائفہ وہابیہ کا مزعوم ہے محض باطل و غلط اور شریعتِ مطہرہ پر افتراء ہے۔

(۳) ایک بالشت یا کچھ زائد،

فی الدرالمختار یسنم قدر شبر[4] فی ردالمحتار او اکثر شیئا قلیلا بدائع[5]۔

ایک بالشت کی مقدار کوہان کی طرح بنادی جائے (درمختار) یا کچھ زیادہ کردی جائے، بدائع (ردالمحتار) (ت)

زیادہ فاحش بلندی مکروہ ہے۔ حلیہ میں ہے :

تحمل الکراھۃ علی الزیادۃ الفاحشۃ و عدمھا علی القلیلۃ المبلغۃ لہ مقدار اربع اصابع اوما فوقہ قلیلا[6] واللہ تعالٰی اعلم۔

کراہت بہت زیادہ اُونچی کرنے پر محمول ہے۔ اور عدمِ کراہت قلیل زیادتی پر جو ایک بالشت کی مقدار ہو یا اس سے کچھ زائد۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] مدارج النبوۃ ذکر نماز گزاردن آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خلف ابوبکر الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۴۴۲

[2] مجمع البرکات

[3] منسک متوسط مع ارشاد الساری فصل ولیغتنم ایام مقامہ الخ دارالکتب العربی بیروت ص ۳۴۲

[4] درمختار باب صلوۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۵

[5] ردالمحتار " " ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/۶۰۱

[6] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

مسئلہ ۱۶۲ از قادری گنج ضلع بیربھوم ملک بنگال مرسلہ سید ظہور الحسن صاحب قادری رزاقی مرشدی کرنالی ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ

پیر و مرشد کے مزار کا طواف کرنا، اور مزار اور مزار کی چوکھٹ کو بوسہ دینا اور آنکھوں سے لگانا اور مزار سے اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹ کے ہاتھ باندھے ہوئے واپس آنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

مزار کا طواف کہ محض بہ نیتِ تعظیم کیا جائے ناجائز ہے کہ تعظیم بالطواف مخصوص بخانہ کعبہ ہے۔ مزار کو بوسہ دینا نہ چاہئے۔ علماء اس میں مختلف ہیں۔ اور بہتر بچنا، اور اسی میں ادب زیادہ ہے۔ آستانہ بوسی میں حرج نہیں۔ اور آنکھوں سے لگانا بھی جائز کہ اس سے شرع میں ممانعت نہ آئی، اور جس چیز کو شرع نے منع نہ فرمایا منع نہیں ہو سکتی قال اللہ تعالیٰ ان الحکم الا للہ[1] (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حکم نہیں مگر اللہ کا۔ ت) ہاتھ باندھے اُلٹے پاؤں واپس آنا ایک طرزِ ادب ہے، اور جس ادب سے شرع نے منع نہ فرمایا اس میں حرج نہیں۔ ہاں اگر اس میں اپنی یا دوسرے کی ایذا کا اندیشہ ہو تو اُس سے احتراز کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۶۳ مزاراتِ اولیائے کرام علیہم رحمۃ المنعام کے چومنے کو کفر یا شرک کہنا کیسا ہے؟

الجواب

فی الواقع بوسۂ قبر میں علماء مختلف ہیں، اور تحقیق یہ ہے کہ وہ ایک امر ہے جو دو چیزوں داعی و مانع کے درمیان دائر، داعی محبت ہے اور مانع ادب، تو جسے غلبۂ محبت ہو اُس پر مواخذہ نہیں کہ اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے۔ اور عوام کے لیے منع ہی احوط ہے۔ ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ مزارِ اکابر سے کم از کم چار ہاتھ کے فاصلہ سے کھڑا ہو، پھر تقبیل کی کیا سبیل! عالمِ مدینہ علامہ سید نور الدین سمہودی قدس اللہ سرہٗ خلاصۃ الوفا شریف میں جدارِ مزارِ انور کے لمس و تقبیل و طواف سے ممانعت کے اقوال نقل کرکے فرماتے ہیں:

وفی کتاب العلل والسؤالات لعبد اللہ بن احمد بن حنبل سألت ابی عن الرجل یمس منبر النبی صلی اللہ تعالیٰ

یعنی امام احمد بن حنبل کے صاحبزادہ امام عبداللہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے باپ سے پوچھا کوئی شخص نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کے منبر کو چھوئے

---

[1] القرآن ۱۲/ ۴۰

34

علیہ وعلٰی اٰلہٖ وسلم تبرک بمسہ وتقبیلہ ویفعل بالقبر مثل ذٰلک رجاء ثواب اللہ تعالٰی فقال لاباس بہ۔[1]

اور بوسہ دے، اور ثوابِ الٰہی کی امید پر ایسا ہی قبر شریف کے ساتھ کرے، فرمایا: اس میں کچھ حرج نہیں۔ (ت)

امام اجل تقی الملۃ والدین علی بن عبدالکافی سبکی قدس اللہ سرہ الملکی شفاء السقام، پھر سید نور الدین خلاصۃ الوفاء میں بروایۃ یحیٰی بن الحسن عن عمر بن خالد عن ابی بناتۃ عن کثیر بن یزید عن المطلب بن عبداللہ بن حنطب ذکر فرماتے ہیں کہ مروان نے ایک صاحب کو دیکھا کہ مزار اطہر سید اطہر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے لپٹے ہوئے ہیں اور قبر شریف پر اپنا منہ رکھے ہیں، مروان نے ان کی گردن پکڑ کر کہا جانتے ہو یہ تم کیا کر رہے ہو۔ انھوں نے اس کی طرف منہ کیا اور فرمایا:

نعم انّی لم اٰت الحجر انما جئت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول لَاتَبْکُوْا عَلَی الدِّیْنِ اِذَا وَلِیَہٗ اَھْلُہٗ وَلٰکِنْ اِبْکُوْا عَلَی الدِّیْنِ اِذَا وَلِیَہٗ غَیْرُ اَھْلِہٖ۔[2]

ہاں میں کسی پتھر کے پاس نہ آیا میں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ وسلم کے حضور حاضر ہوا ہوں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سنا: دین پر نہ روؤ جب اس کا والی اس کا اہل ہو، ہاں دین پر روؤ جب نااہل اس کا والی ہو۔

سید قدس سرہ فرماتے ہیں: رواہ احمد بسند حسن[3] امام احمد نے یہ حدیث بسندِ حسن روایت فرمائی۔

نیز فرماتے ہیں:

روی ابن عساکر بسند جید عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ ان بلالا رای النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہٖ وسلم وھو یقول لہ ماھذہ الجفوۃ یا بلال اما اٰن لک ان تزورنی فانتبہ حزینا خائفا فرکب راحلتہ وقصد المدینۃ فاتی قبر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہٖ وسلم فجعل یبکی

یعنی ابنِ عساکر نے بسندِ صحیح ابو درداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ شام کو چلے گئے تھے ایک رات خواب دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اُن سے فرماتے ہیں: اے بلال! یہ کیا جفا ہے کیا وہ وقت نہ آیا کہ ہماری زیارت کو حاضر ہو؟ بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ غمگین اور ڈرتے ہوئے جاگے اور بقصدِ زیارتِ اقدس سوار ہوئے، مزارِ پُرانوار پر

---

[1] وفاء الوفا الفصل الرابع فی آداب الزیارۃ والمجاورۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۴۰۴

[2] و[3] 〃 〃 الثانی فی بقیۃ ادلۃ الزیارۃ 〃 〃 〃 ۴/ ۱۳۵۹

عنده ويمرغ وجهه عليه [1]

حاضر ہوکر رونا شروع کیا اور منہ قبر شریف پر ملتے تھے۔

امام حافظ عبدالغنی وغیرہ اکابر فرماتے ہیں:

ليس الاعتماد فی السفر للزيارة علی مجرد منامه بل علی فعله ذلك والصحابة متوفرون ولا تخفی عنهم هذه القصة [2]

یعنی زیارتِ اقدس کے لیے شد الرحال کرنے میں ہم فقط خواب پر اعتماد نہیں کرتے بلکہ اس پر کہ بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یہ کیا اور صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم بکثرت موجود تھے اور انھیں معلوم ہُوا اور کسی نے اس پر انکار نہیں فرمایا۔

عالمِ مدینہ (سیّد نور الدین سمہودی علیہ الرحمۃ) فرماتے ہیں:

ذكر الخطيب بن حملة ان بلالا رضی الله تعالٰی عنه وضع خديه علی القبر الشريف وان ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما كان يضع يده اليمنی عليه ثم قال ولا شك ان الاستغراق فی المحبة يحمل علی الاذن فی ذلك والقصد به التعظيم والناس تختلف مراتبهم كما فی الحيوٰة فمنهم من لا يملك نفسه بل يبادر اليه ومنهم من فيه اناة فيتأخر ونقل عن ابن ابی الصيف والمحب الطبری جواز تقبيل قبور الصالحين وعن اسمعيل التيمی قال كان ابن المنكدر يصيبه الصمات فكان يقوم فيضع خده علی قبر النبی صلی الله تعالٰی عليه وسلم فعوتب فی ذلك فقال انه يستشفی بقبر النبی صلی الله تعالٰی عليه وعلٰی اٰله وسلم [3]

یعنی خطیب بن حملہ نے ذکر کیا کہ بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نے قبرِ انور پر اپنے دونوں رخسارے رکھے اور ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما اپنا دہنا ہاتھ اس پر رکھتے۔ پھر کہا شک نہیں کہ محبت میں استغراق اس میں اذن پر باعث ہوتا ہے اور اس سے مقصود تعظیم ہے، اور لوگوں کے مرتبے مختلف ہیں، جیسے زندگی میں، تو کوئی بے اختیارانہ اس کی طرف سبقت کرتا ہے اور کسی میں تحمل ہے وہ پیچھے رہتا ہے۔ اور ابن ابی الصیف اور امام محب طبری سے نقل کیا کہ مزاراتِ اولیاء کو بوسہ دینا جائز ہے۔ اور اسمٰعیل تیمی سے نقل کیا کہ ابن المنکدر تابعی کو ایک مرض لاحق ہوتا کہ کلام دشوار ہو جاتا وہ کھڑے ہوتے اور اپنا رخسارہ قبرِ انور سید اطہر صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہ وسلم پر رکھتے، کسی نے اس پر اعتراض کیا، فرمایا میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مزارِ اقدس سے شفا حاصل کرتا ہوں۔

---

[1] وفاء الوفا الفصل الثانی فی بقیۃ ادلۃ الزیارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/۱۳۵۶
[2] " " " " " " " ۴/۱۳۵۷
[3] " " الفصل الرابع فی آداب الزیارۃ والمجاورۃ " " " ۴/۱۴۰۶

علامہ شیخ عبدالقادر فاکہی مکی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کتاب مستطاب حسن التوسل فی زیارۃ افضل الرسل میں فرماتے ہیں:

تمریغ الوجہ والخد واللحیۃ بتراب الحفرۃ الشریفۃ واعتابہا فی زمن الخلوۃ المامون فیہا توہم عامی محذورا شرعیا بسببہ، امر محبوب حسن لطلابہا وامرہ لاباس بہ فیما یظہر لکن لمن کان لہ فی ذلک قصد صالح وحملہ علیہ فرط الشوق والحب الطافح[1]

یعنی خلوت میں جہاں اس کا اندیشہ نہ ہو کہ کسی جاہل کا وہم اس کے سبب کسی ناجائز شرعی کی طرف جائے گا، ایسے وقت بارگاہ اقدس کی مٹی اور آستانہ پر اپنا منہ اور رخسارہ اور داڑھی رگڑنا مستحب اور مستحسن ہے جس میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا۔ مگر اس کے لیے جس کی نیت اچھی ہو اور افراط شوق اور غلبۂ محبت اسے اس پر باعث ہو۔

پھر فرماتے ہیں:

علا انی اتحفک بامر یلوح لک منہ المعنی بان الشیخ الامام السبکی وضع حر وجہ علی بساط دار الحدیث التی مسہا قدم النووی لینال برکۃ قدمہ وینوہ بمزید عظمتہ کما اشار الی ذلک بقولہ وفی دار الحدیث لطیف معنی الی بسطلہ اصبو واوی لعلی ان قال بحر وجہی مکانا مسہ قدم النواوی وبان شیخنا تاج العارفین امام السنۃ خاتمۃ المجتہدین کان یمرغ وجہہ ولحیتہ علی عتبۃ البیت الحرام بحجر اسمعیل[2]

یعنی علاوہ بریں میں تجھے یہاں ایک ایسا تحفہ دیتا ہوں جس سے معنی تجھ پر ظاہر ہو جائیں وُہ یہ کہ امام اجل تقی الملۃ والدین سبکی دارالحدیث کے اس بچھونے پر جس پر امام نووی قدس اللہ سرہ العزیز قدم مبارک رکھتے تھے ان کے قدم کی برکت لینے اور ان کی زیارت تعظیم کے شہرہ دینے کو اپنا چہرہ اس پر ملا کرتے تھے جیسا کہ خود فرماتے ہیں کہ دارالحدیث میں ایک لطیف معنی ہیں جن کے ظاہر کرنے کا مجھے عشق ہے کہ شاید میرا چہرہ پہنچ جائے اس جگہ پر جس کو قدم نووی نے چھوا تھا۔ اور ہمارے شیخ تاج العارفین امام سنت خاتمۃ المجتہدین آستانہ بیت الحرام حطیم شریف پر جہاں سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کا مزار کریم ہے اپنا چہرہ اور داڑھی ملا کرتے تھے۔

بالجملہ یہ کوئی امر ایسا نہیں جس پر انکار واجب کہ اکابر صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اور اجلہ ائمہ رحمہم اللہ تعالٰی سے ثابت ہے تو اس پر شورش کی کوئی وجہ نہیں۔ اگرچہ ہمارے نزدیک عوام کو اس سے بچنے ہی میں احتیاط ہے۔

---

[1] و [2] حسن التوسل فی زیارۃ افضل الرسل

امام علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں فرماتے ہیں :

المسئلة متی امکن تخریجھا علی قول من الاقوال فی مذھبنا او مذھب غیرنا فلیست بمنکر یجب انکارہ والنھی عنه وانما المنکر ماوقع الاجماع علی حرمته والنھی عنه[1]. واللّٰہ تعالٰی اعلم.

جب کسی مسئلہ کا ہمارے مذہب یا دیگر ائمہ کے مذہب پر جواز نکل سکتا ہو تو وہ ایسا گناہ نہیں کہ اس پر انکار اور اس سے منع کرنا واجب ہو، ہاں گناہ وہ ہے کہ اس کے حرام ہونے اور اس کے منع ہونے پر اجماع ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت) .

مسئلہ ۱۶۴

۴ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قبروں کا بوسہ لینا جائز ہے یا نہیں ؟ زیارتِ قبور کی نشست و برخاست کا طریقہ کیا ہے ؟

الجواب

قبروں کا بوسہ لینا نہ چاہئے۔ زیارتِ قبرِ میّت کے مواجہ میں کھڑے ہوکر ہو، اور اس کی پائنتی کی طرف سے جائے کہ اس کی نگاہ کے سامنے ہو، سرہانے سے نہ آئے کہ اُسے سر اُٹھاکر دیکھنا پڑے، سلام وایصالِ ثواب کے لیے اگر دیر کرنا چاہتا ہے رُو بقبر بیٹھ جائے اور پڑھتا رہے، یا ولی کا مزار ہے تو اُس سے فیض لے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۶۵ و ۱۶۶

(۱) قبورِ شہداء یا اولیاء اللہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم پر جاکر اور قبر شریف ہی پر مالیدہ یا شیرینی مع پھول وغیرہ نیاز کرنا کیسا ہے، چاہئے یا نہیں ؟

(۲) جس شہید یا اولیاء اللہ کے مزار کا حال ہم کو معلوم نہیں ہے کہ آیا کسی کی مزار ہے یا نہیں ؟ اور اگر ہے تو کس کی ہے ؟ مردِ اہلِ اسلام، یہودی یا نصارٰی یا عورت یہود، یا نصارٰی یا مسلمان کی، تو اس مزار پر فاتحہ پڑھنا یا بطریق مذکور نیاز وغیرہ کرنا کیسا ہے، چاہئے یا نہیں ؟ بینوا توجروا

الجواب

(۱) قبورِ مسلمین کی زیارت سنّت اور مزاراتِ اولیاءِ کرام وشہداء رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کی حاضری سعادت بر سعادت اور اُنھیں ایصالِ ثواب مندوب وثواب۔ اور مالیدہ وشیرینی خصوصیاتِ عرفیہ میں اگر وجوب

---

[1] حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ نوع ۲۳ الکلام فی حال الخطبۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۳۰۹

نہ جانے حرج نہیں، اور قبر پر لے جانے کی نہ ضرورت نہ اس میں معصیت۔ ہاں اُسے شرعاً لازم جانے بغیر اُس کے فاتحہ کا قبول نہ سمجھے تو یہ اعتقاد فاسد ہے، اس اعتقاد سے احتراز لازم ہے۔ قبورِ مسلمین خصوصاً قبورِ اولیاء پر پھول چڑھانا حسن ہے، عالمگیری وغیرہ میں اس کی تصریح فرمائی، مگر شیرینی وغیرہ جو اس قسم کی چیزیں لے جائے اس کو قبر پر نہ رکھے، یہ ممنوع ہے۔

(۲) جس قبر کا یہ بھی حال معلوم نہ ہو کہ یہ مسلمان کی ہے یا کافر کی، اُس کی زیارت کرنی، فاتحہ دینی ہرگز جائز نہیں کہ قبرِ مسلمان کی زیارت سنّت ہے اور فاتحہ مستحب، اور قبرِ کافر کی زیارت حرام ہے اور اسے ایصالِ ثواب کا قصد کفر،

قال اللّٰہ تعالٰی ولا تقم علٰی قبرہٖ[1] وقال تعالٰی وما لہ فی الاٰخرۃ من خلاق[2] وقال تعالٰی ان اللّٰہ حرمھما علی الکافرین[3]۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا اُس کی قبر پر کھڑے بھی نہ ہونا۔ اور فرمایا: اُس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اور فرمایا: بیشک اللہ نے ان دونوں کو کافروں پر حرام کیا۔ (ت)

تو جو امر سنّت و حرام یا مستحب و کفر میں متردّد ہو وہ ضرور ممنوع و حرام ہے۔

مسئلہ ۱۶۷: کسی اولیاء اللہ یا شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر پھول یا کپڑے کی چادر منّت مان کر چڑھانا کیسا ہے، چاہئے یا نہیں؟

الجواب

یہ منّت کوئی شرعی نہیں اذ لیس من جنسہ واجب (اس لیے کہ اس کی جنس سے کوئی واجب نہیں۔ ت) ہاں پھول چڑھانا حسن ہے کما تقدم (جیسا کہ گزر چکا۔ ت) اور قبورِ اولیائے کرام قدسنا اللہ باسرارہم پر چادر بقصد تبریک ڈالنا مستحسن ہے۔ قال اللہ تعالٰی،

ذٰلک ادنٰی ان یعرفن فلا یؤذین[4]۔

وہ اس سے زیادہ قریب ہے کہ پہچان ہو جائے تو انھیں ایذا نہ دی جائے۔ (ت)

امام عارف باللہ علامہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی نے کشف النور عن اصحاب القبور[5] میں اس کی تصریح فرمائی، پھر علامہ شامی نے عقود الدریہ میں اسے نقل کیا اور مقرر رکھا۔

---

[1] القرآن ۹/ ۸۴
[2] القرآن ۲/ ۱۰۲ و ۲۰۰
[3] القرآن ۷/ ۵۰
[4] القرآن ۳۳/ ۵۹
[5] کشف النور عن اصحاب القبور مع الحدیقۃ الندیۃ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۱۴

مسئلہ ۱۶۸ از کلکتہ زکریا اسٹریٹ ۲۲ مسئولہ مولوی عبدالحق صاحب و مولوی مبارک کریم صاحب بمعرفت حاجی لعل خاں صاحب ۲۶ رمضان المبارک ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیخ نے مرید کو وصیت کی تھی کہ میری قبر کا کل سامانِ روشنی و قرآن خوانی ولنگر خانہ وعرس وغیرہ کا تم انتظام کرنا۔ چنانچہ مرید نے بموجب وصیت تمام سامان کیا۔ کل اخراجات کا متکفل ہُوا۔ اب سوال یہ ہے کہ جو لوگ چادر و شیرینی ونقد وجنس مزار پر چڑھاتے ہیں وہ کس کا حق ہے؟ اُس مرید کا جس نے یہ سب سامان اور اخراجات کیے اور جو خادم ہے یا وُہ فرزندِ شیخ کا؟

الجواب

چادر جو مزار پر ڈالی جائے وُہ کسی کا حق نہیں، نہ اس مرید خادمِ مزار کا، نہ فرزندِ صاحبِ مزار کا۔ نہ وُہ وقف ہو، بلکہ وُہ ڈالنے والے کی مِلک پر رہتی ہے، جیسے کفن کہ تبرعاً کسی نے میت کو دیا۔ درمختار میں ہے:

لایخرج الکفن عن ملك المتبرع[1] کفن تبرع کرنے والے (بطور احسان دینے والے) کی مِلک سے نہیں نکلتا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لوافترس المیت سبع کان للمتبرع لا للورثۃ نھر[2] اگر میت کو کسی درندے نے کھالیا تو کفن جو رہ گیا وہ تبرع کرنے والے کا ہوگا ورثہ کا نہیں، نہر۔ (ت)

باقی اور چڑھاوے اگرچہ وُہ چادریں ہی ہوں جو مزار پر نہ ڈالیں نہ اس پر ڈالنے کو دیں، بلکہ دیگر نذور کی طرح سمجھیں، ان میں عرف عام یہ ہے کہ خادمِ مزار ہی ان کا مالک سمجھا جاتا ہے۔ اسی قصد سے لوگ لاتے اور اُس کا انتفاع وتصرف دیکھتے، جانتے، روا رکھتے ہیں والمعروف کالمشروط (معروف، مشروط کی طرح ہے۔ ت) تو وُہ خدمت والا ہی اُن کا مالک ہے، ترکہ نہیں کہ فرزند کو جائے۔ اور اس قسم کے چڑھاوے شرع میں کہیں مطلقاً منع نہیں، نہ یہ نذورِ شرعی، بلکہ عرف ہے کہ اکابر کے حضور جو کچھ لے جاتے اسے نذر کہتے ہیں، جیسے بادشاہ کی نذریں گزریں۔ بعض متاخرین نے کہ منع کیا میت کے لیے منت ماننے کو منع کیا ہے، وہ صورت یہاں عام مواقع میں نہیں، اکثر چڑھاوے منت ہی نہیں ہوتے، نہ یہ نذر شرعی نذر۔ اور یہاں مباحث نفیسہ ہیں کہ ہم نے تعلیقاتِ ردالمحتار میں ذکر کیں۔ معہذا امام علامہ عارف باللہ سیدی عبدالغنی ابن سیدی اسمٰعیل بن عبدالغنی قدس سرہ القدسی

---

[1] درمختار باب صلوٰۃ الجنازۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۱

[2] ردالمحتار 〃 〃 ادارۃ الطباعۃ المصریۃ، مصر ۱/ ۵۷۱

حدیقہ ندیہ شریف میں فرماتے ہیں :

ومن ھذا القبیل زیارۃ القبور والتبرک بضرائح الاولیاء والصالحین والنذر لھم بتعلیق ذلک علی حصول شفاء او قدوم غائب فانہ مجاز عن الصدقۃ علی الخادمین بقبورھم کما قال الفقہاء فیمن دفع الزکوۃ لفقیر وسماھا قرضا صح لان العبرۃ بالمعنی لا باللفظ وکذلک الصدقۃ علی الغنی ھبۃ والھبۃ للفقیر صدقۃ۔[1]

اسی قبیل سے ہے قبروں کی زیارت اور اولیاء و صالحین کے مزارات سے برکت لینا اور کسی بیمار کی شفایابی یا کسی غائب کی آمد کی شرط کرکے ان کے لیے نذر پیش کرنا کہ دراصل یہ قبروں کے خدام پر صدقہ سے مجاز ہے جیسا کہ فقہاء نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جو فقیر کو زکوۃ دے اور اسے قرض کے تو زکوۃ ادا ہوجاتی ہے اس لیے کہ اعتبار معنی کا ہے لفظ کا نہیں۔ اسی طرح غنی پر صدقہ ہو تو ہبہ وعطیہ ہے اور فقیر کو ہبہ ہو تو صدقہ ہے۔ (ت)

نذر اولیاء کا نفیس بیان ہمارے فتاوٰی افریقہ میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۶۹ تا ۱۷۶ از پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور مرسلہ نعمت علی صاحب ۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ :

(۱) مُردہ کے نام کا کھانا جو امیر وغریب کو کھلاتے ہیں کس کو کھانا چاہیے اور کس کو نہیں؟ اور یُوں بھی کہتے ہیں کہ مُردہ کے نام کا کھانا مصلّی امیر و غریب سب کو کھلاتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟

(۲) بزرگوں کے مزار پر عُرسوں میں یا اس کے علاوہ میں عورتیں جاتی ہیں یا ناپاکی کی حالت میں بھلائی کی طلب میں حاجت برآری کے لیے، اور وہاں ٹھہرتی ہیں اور اُن کے لیے ٹھہرنے کے لیے وہی قبرستان ہے، آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر یہ باتیں بُری ہیں تو اُس بزرگ میں تصرف اور قوت اس کے روکنے کی ہے یا نہیں؟ اور یہ کہا جاتا ہے کہ دربارِ بزرگان میں آنے والے اُن کے مہمان ہیں، یہ صحیح ہے یا نہیں۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ بزرگ لوگ اپنے مزار سے تصرف نہیں کرسکتے، اور یہ دلیل لاتے ہیں کہ اگر وہ تصرف کرسکتے تو وہاں رنڈیاں گاتی ہیں، ناچتی ہیں، بجاتی ہیں، عورتیں غیر محرم رہتی ہیں، اُن کے نیچے پیشاب وغیرہ کرتے ہیں تو کیوں نہیں روکتے، یہ کہنا اور اس کی یہ دلیل صحیح ہے یا نہیں؟ اس کا کیا جواب؟

(۳) بزرگوں کے مزار سے جو چراغ کی روشنی غیبی ہوتی ہے یہ کیسی ہے اور اس سے اس صاحب مزار کی بزرگی ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟

---

[1] الحدیقۃ الندیۃ فی الطریقۃ المحمدیۃ الخلق الناس والاربعون الخ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۱۵۱

(۴) بزرگوں کے مزار پر فاتحہ، قرآن پڑھنے اور کھڑے ہوکر وسیلہ چاہنے کے لیے عمارت بنادے اور عرس کیے کرائے تو جائز ہے یا نہیں ؟

(۵) قبر پر درخت لگانا، دیوار کھینچنا یا قبرستان کی حفاظت کے لیے اُس کے چاروں طرف کھود کر جس میں جدید قدیم قبریں بھی ہیں محاصرہ کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

(۶) کسی بزرگ کے روضہ کے گرد قبریں ہیں اور وسعت جگہ کے لیے اُس قبہ سے لگا کر اُسی گرد کے قبر پر مثل سائبان کے پایہ زینہ دے کر چھپر ڈالنا جائز ہے یا نہیں ؟

(۷) ظاہر ولی اللہ یعنی زندہ اور صاحبِ مزار ولی اللہ سے ظاہر طریقہ سے ہمکلام ہونے کی کوئی خبر ہے یا نہیں ؟

(۸) کوئی شخص اپنی زندگی میں قُل کرائے، فاتحہ پڑھوائے، آیا جائز ہے نہیں، اور اُس کا ثواب اپنے لیے بعد وفات رکھے۔ یعنی یہ کہے کہ میرے مرنے کے بعد مجھے اس کا ثواب ملے۔

الجواب

(۱) مُردے کا کھانا صرف فقراء کے لیے ہو، عام دعوت کے طور پر جو کرتے ہیں یہ منع ہے، غنی نہ کھائے، کما فی فتح القدیر و مجمع البرکات (جیسا کہ فتح القدیر اور مجمع البرکات میں ہے۔ ت)

(۲) عورتوں کو مقابرِ اولیاء و مزاراتِ عوام دونوں پر جانے کی ممانعت ہے۔ اولیاء کرام کا مزارات سے تصرف کرنا بیشک حق ہے، اور وُہ بیہودہ دلیل محض باطل ہے۔ اصحابِ مزارات دارِ تکلیف میں نہیں وہ اس وقت محض اہلِ تکوینیہ کے تابع ہیں، سیکڑوں ناحفاظیاں لوگ مسجدوں میں کرتے ہیں، اللہ عزوجل تو قادرِ مطلق ہے کیوں نہیں روکتا ؟ حاضرانِ مزار مہمان ہوتے ہیں مگر عورتیں ناخواندہ مہمان۔

(۳) اگر منجانب اللہ ہے تو ضرور بزرگی ثابت ہوتی ہے اور اگر بزرگی ثابت ہے تو منجانب اللہ ہے ورنہ امر محتمل ہے، شیطان بھی بہت کرشمے دکھاتا ہے۔ حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ازواجِ مطہرات سے ایک بی بی جب اندھیرے میں جاتیں ایک شمع روشن ہوجاتی، ایک روز حضور نے ملاحظہ فرمایا اُسے بجھادیا اور فرمایا کہ یہ شیطان کی جانب سے ہے پھر ایک ربانی نور ان کے ساتھ فرمادیا کما فی بھجۃ الاسرار و معدن الانوار (جیسا کہ بہجۃ الاسرار اور معدن الانوار میں ہے۔ ت)

(۴) جائز ہے کما فی مجمع بحار الانوار (جیسا کہ مجمع بحار الانوار میں ہے۔ ت) ہاں منکراتِ شرعیہ مثل رقص و مزامیر سے بچنا لازم ہے۔

(۵) حفاظت کے لیے حصار بنانے میں حرج نہیں۔ اور درخت اگر سایۂ زائرین کے لیے ہوں تو اچھا ہے

مگر قبر سے جدا ہوں۔

(۶) کسی قبر پر کوئی پایہ چُننا جائز نہیں۔

(۷) بکثرت ہیں کہ امام جلال الدین (سیوطی) کی شرح الصدور وغیرہ میں مذکور۔

(۸) جائز ہے اور قبول ہوا تو ثواب ملے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷۷ از گوالیار مرسلہ مولوی محمود الحسن صاحب ۱۳ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورتوں کو قبروں پر فاتحہ کو جانا درست ہے یا نادرست؟

الجواب

اصح یہ ہے کہ عورتوں کو قبروں پر جانے کی اجازت نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷۸ از نصیر آباد تعلقہ جل گاؤں ضلع خانداس مرسلہ بسم اللہ منشی ۲ ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زیارتِ قبور میں عورتوں کے واسطے کیا حکم ہے؟ دیگر کسی کے بزرگوں کے پاس سے پشت در پشت کسی اولیاء اللہ کی مجاوری اور خدمت گزاری ملی ہے تو فاتحہ دینا اس قبر پر یا صندل چڑھانا، غلاف چڑھانا، مجاور مرد لوگ موجود ہو کر عورت کو جائز ہے، اس مزار پر ہمیشہ مرد مجاور رہا کرتے ہیں، وہ عورت مجاوروں کے خاندان سے ہے مگر نہایت بدچلن ہے، اس عورت کو کیا اختیار ہے؟

الجواب

عورتوں کو زیارتِ قبور منع ہے۔ حدیث میں ہے: لعن اللہ زائرات القبور[1] اللہ کی لعنت اُن عورتوں پر جو قبروں کی زیارت کو جائیں۔ مجاور مردوں کو ہونا چاہئے۔ عورت مجاور بن کر بیٹھے اور آنے جانے والوں سے اختلاط کرے یہ سخت بد ہے۔ عورت کو گوشہ نشینی کا حکم ہے، نہ یوں مردوں کے ساتھ اختلاط کا، جس میں بعض اوقات مردوں کے ساتھ اسے تنہائی بھی ہوگی اور یہ حرام ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷۹ از پٹنہ مرسلہ ابوالمساکین مولوی ضیاء الدین ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ عورتوں کے واسطے زیارتِ قبور درست ہے یا نہیں؟

الجواب

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: لعن اللہ زوارات القبور[2] (قبروں کی زیارت

---

[1] عمدۃ القاری شرح البخاری باب زیارۃ القبور ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۸/ ۶۹

[2] مسند احمد بن حنبل حدیث حسان بن ثابت دار الفکر بیروت ۳/ ۴۴۲

کو جانے والی عورتوں پر اللہ کی لعنت ہے۔ ت) اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور الا فزوروھا۔[1] میں نے قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا، سُن لو اب ان کی زیارت کرو۔ (ت)

علماء کو اختلاف ہوا کہ آیا اس اجازت بعد النہی میں عورات بھی داخل ہوئیں یا نہیں، اصح یہ ہے کہ داخل ہیں کما فی البحر الرائق (جیسا کہ بحر الرائق میں ہے۔ ت) مگر جوانیں ممنوع ہیں جیسے مساجد سے اور اگر تجدید حزن مقصود ہو تو مطلقاً حرام۔

اقول قبورِ اقربا پر خصوصاً بحالِ قربِ عہد ممات تجدید حزن لازم نساء ہے، اور مزاراتِ اولیاء پر حاضری میں احدی الشناعتین کا اندیشہ یا ترکِ ادب یا ادب میں افراط ناجائز، تو سبیل اطلاق منع ہے ولہذا غنیہ میں کراہت پر جزم فرمایا البتہ حاضری و خاکبوسی آستان عرش نشان سرکارِ اعظم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اعظم المندوبات بلکہ قریب واجبات ہے، اس سے نہ روکیں گے اور تعدیلِ ادب سکھائیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸۰ از ترپول سولول ڈاک خانہ ہرول ضلع دربھنگہ بلگرام چرسہ مرسلہ عبدالحکیم صاحب

۸ جمادی الآخر ۱۳۳۶ھ

کوئی آدمی کسی قبرستان میں ایک مسلمان قبر پر بزرگ سمجھ کر اُس کی قبر پر درگاہ بنا کر کوئی تاریخ مقرر کرکے ہر سال میلہ لگاتا ہے، ہر پیر و جوان عورت واسطے عرض اپنے وہاں جمع ہوتی ہیں، بلکہ عورت مرد کا مجمع کثیر ہوتا ہے اور بڑے بڑے عہدہ دار یا ہندو کو دعوت دے کر بلاتے ہیں جس میں ڈھول باجے اور فوٹوگرام وغیرہ بھی بجتا ہے اور عورت لوگ اس بزرگ کی قبر پر پھول، خصی مرغ، سرنی وغیرہ چڑھاتے ہیں، اور اُس قبرستان پر پیشاب پاخانہ کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا ہے اُس درگاہ کی شرکت کرنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا جائز یا ناجائز، اور شرکت کرنے والے کو بُرا سمجھیں یا اچھا، اور اس درگاہ کا متولی چھوٹی قوم ہے مونچھ داڑھی سے زیادہ رکھتا ہے اور ہاتھ میں لوہے کا مالا پہنتا ہے اور ہاتھ میں لوہے کا چھرا رکھتا ہے اور لوگوں کو گالی فحش دیتا ہے اور لوگ جو شرکت کرتے ہیں اُسے بزرگ اور پیر سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگ کی نماز پڑھنا جائز یا ناجائز، اس لیے دور رہنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب

اولیائے کرام کے مزارات پر ہر سال مسلمانوں کا مجمع ہو کر قرآن مجید کی تلاوت یا اور مجالس کرنا اور اُس کا

---

[1] سنن ابن ماجہ ابواب الجنائز ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

ثواب ارواحِ طیبہ کو پہنچانا جائز ہے، جبکہ منکرات شرعیہ مثل رقص و مزامیر وغیرہا سے خالی ہو۔ عورتوں کو قبور پر ویسے جانا نہ چاہئے نہ کہ مجمع میں بے حجابانہ اور تماشے کا میلہ کرنا، اور فوٹو وغیرہ بجوانا۔ یہ سب گناہ و ناجائز ہیں، جو شخص ایسی باتوں کا مرتکب ہو اُسے امام نہ بنایا جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم